عیدین و قربانی

فضیلت و اہمیت • احکام و مسائل

تالیف
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق و تخریج
فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرؤف حفظہ اللہ
فاضل مدینہ یونیورسٹی



مکتبہ کتاب و سنت
ریحان چیمہ - ڈسکہ

عیدین وقربانی

فضیلت و اہمیت • احکام و مسائل

تالیف
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق وتخریج
فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرؤف حفظہ اللہ
فاضل مدینہ یونیورسٹی



ناشر
مکتبہ کتاب وسنت
ریحان چیمہ - ڈسکہ
www.KitaboSunnat.com
ام القریٰ پبلی کیشنز
سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ

عیدین و قربانی

فضیلت و اہمیت • احکام و مسائل

تالیف
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق و تخریج
فضیلۃ الشیخ حافظ عبد الرؤف حفظہ اللہ
فاضل مدینہ یونیورسٹی

طبع: ———— نومبر 2011ء
کمپوزنگ: ———— عدنان قمر سلمہ اللہ
سیٹنگ: ———— ابوسفیان عزیزی
تعداد: ———— 1100

ناشر

مکتبہ کتاب و سنت
ریحان چیمہ - ڈسکہ

ام القریٰ پبلیکیشنز
سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ

0333-8110896 . 0321-6466422

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عیدین و قربانی

فضیلت و اہمیت • احکام و مسائل

فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ

اسلام دین فطرت ہے، اس لیے اسلامی تعلیمات اور احکام میں انسانوں کی طبائع کا پورا پورا لحاظ و خیال رکھا گیا ہے۔ انسانی فطرت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اسے وقتاً فوقتاً خوشی، مسرت اور فرحت کا موقع فراہم کیا جائے۔ انسان کی اس فطری راحت و انبساط اور مسرت کے اظہار کے لیے اسلام نے ''عید الفطر'' اور ''عید الاضحیٰ'' کے دن مخصوص اور مقرر فرمائے۔ جیسا کہ خادم رسول جناب انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی مکرم، رسول معظم، رحمت عالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ اہل مدینہ سال میں خوشی کے دو دن (نیروز اور مہرجان) مناتے تھے، تو امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

« إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحٰى وَ يَوْمَ الْفِطْرِ » (سنن أبي داود: ٢/ ١٦١)

''اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بدلے میں تمھیں بہتر دن عطا فرمائے ہیں وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر ہیں۔''

ہر قوم کی عید کا کوئی خاص پس منظر اور مقصد ہوتا ہے۔ غیر مسلم اقوام کے تہواروں میں شراب نوشی، لہو ولعب، خرافات ولغویات اور فضولیات کا دور دورہ رہتا ہے، جبکہ اسلامی عیدوں میں عاجزی، تواضع، ایثار، محبت، خلوص اور اتفاق و

اتحاد کا عملی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

عید الفطر کا بنیادی مقصد اور فلسفہ رمضان المبارک میں اللہ رب العزت کے خصوصی احسانات، انعامات اور نوازشات کا شکر ادا کرنا اور دربار الٰہی میں بصد عجز و انکسار اپنی کم ہمتی، کم مائیگی اور کوتاہ عملی کا اعتراف کرکے اس ذات عظیم و برتر سے معافی اور عفو و درگزر کی دعا و التجاء کرنا ہے۔ اور عید الاضحیٰ امام الموحدین، جد الانبیاء جناب ابراہیم علیہ السلام کی قربانی، ایثار، اخلاص اور وفا کی یاد تازہ کرکے سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانور ذبح کرکے اللہ ارحم الراحمین کی بارگاہ سے بے پناہ اجر و ثواب اور نیکیاں حاصل کرنے کا دن ہے۔

سپریم کورٹ، الخبر کے ترجمان اور مرکز الدعوۃ والارشاد، الدمام، سعودی عرب کے معاون جناب مولانا محمد منیر قمر سیالکوٹی، جماعت اہل حدیث کے نامور خطیب اور صاحب طرز ادیب ہیں۔ آپ ایک عرصہ تک ریڈیو متحدہ عرب امارات ام القیوین کی اردو سروس کے پروگرام ''دین و دنیا'' میں مختلف اسلامی موضوعات پر تحقیقی خطابات فرماتے رہے ہیں۔ آپ کے ان خطابات اور تقاریر کو اللہ تعالیٰ نے اندرون و بیرون ملک بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی اور ان گنت لوگ ان کے دلائل سے متاثر ہو کر شرک و بدعت سے تائب ہوئے اور انہیں اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کی سعادت نصیب ہوئی۔

ان کی ریڈیائی تقاریر کی مقبولیت' افادیت' اہمیت اور سامعین کے اشتیاق اور محبت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن دنوں ریڈیو ام القیوین سے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر آپ کی تقاریر نشر ہوتی تھیں، تو ایک دن ابوظہبی میں مقیم ہمارے ایک رفیق میاں نثار احمد نے ٹیلی فون کیا؛ سلام اور مختصر گفتگو کے

بعد انھوں نے کہا کہ ابھی ریڈیو ام القیوین سے رسول مکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے موضوع پر ایک تقریر نشر ہونے والی ہے جو میں آپ کو فون پر سنوانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جونہی انھوں نے ریڈیو کا بٹن آن کیا تو محترم مولانا محمد منیر قمر صاحب خوب صورت الفاظ، میٹھی آواز اور مسحور کن انداز میں نبی محترم ﷺ کے ''غزوات و سرایا'' پر گفتگو فرما رہے تھے۔ ان کے ایک ایک لفظ سے حسنِ عقیدت، ادب و احترام اور امام الانبیاء ﷺ سے محبت والفت چھلک رہی تھی۔ جب کچھ عرصے بعد میاں صاحب پاکستان تشریف لائے تو مولانا موصوف کی ریڈیائی تقاریر کے کچھ آڈیو کیسٹ لائے اور ہمیں سنوائیں اور بتایا کہ خلیجی ممالک میں مقیم اردو خواں حضرات میں مولانا کی تقاریر کو از حد پسند کیا جاتا ہے اور سنا جاتا ہے۔ اللہ کرے زور بیاں اور زیادہ!

یہ بڑی خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ مولانا محمد منیر قمر نے اپنی ریڈیائی تقاریر کو کتابی صورت میں طبع کروانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ بحمدللہ وہ سیرت طیبہ کے موضوع پر ''سیرۃ الانبیاء'' نماز اور اس کے متعلقات پر ''فقہ الصلوۃ'' حج، قربانی اور عمرہ کے مسائل پر ''سوئے حرم'' اور زکوۃ و صیام کے فضائل و مسائل پر مشتمل مجموعہ ''رمضان المبارک'' کے نام سے چھپوا کر منظر عام پر لا چکے ہیں؛ اور اب عید الفطر، عید الاضحی، اور قربانی وغیرہ کے احکام پر ''مسائل و احکام عیدین وقربانی'' منصۂ شہود پر لانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

یہ اپنے موضوع پر ایک منفرد، مستند اور باحوالہ کتاب ہے، جس میں مصنف موصوف نے بڑی تحقیق، تدقیق اور عرق ریزی سے عیدین اور قربانی کے مسائل کی وضاحت فرمائی، اور حقیقت یہ ہے کہ موضوع کو پورا کرنے کا حق ادا کردیا ہے۔ نیز اس ضمن میں پیدا ہونے یا پیدا کیے جانے والے بعض جدید

مسائل اور الجھنوں کا بڑی شرح وبسط سے ذکر کیا ہے اور قرآن وسنت سے ان کا حل پیش فرمایا ہے؛ اور ان مواقع پر عام رواج پا جانے والی رسوم اور بدعات کا مدلل طریقے سے رد کرتے ہوئے بڑے ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں عوام کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے اور عیدین کو ایک مذہبی اور دینی تہوار بنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کتاب میں مسائل کے استنباط واستخراج میں صرف صحیح اور حسن احادیث سے استفادہ کیا گیا ہے اور اگر کہیں ضعیف حدیث کا ذکر آیا ہے تو اس کی وضاحت وصراحت بھی کردی گئی ہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین.

فاضل جلیل مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی نے بڑی محنت اور جانفشانی سے تخریج کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور کتاب میں درج تمام احادیث، ائمہ کے اقوال اور فتاوی کی تخریج کر کے کتاب کی اہمیت و افادیت کو دو چند بلکہ سہ چند کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت شاقہ کو مقبول و منظور فرمائے۔ آمین

مولانا محمد منیر قمر صاحب اس اعتبار سے بڑے خوش قسمت اور نیک بخت ہیں کہ انھیں اپنی تصانیف کی کتابت، تصحیح، طباعت اور ترسیل کے معاملات میں اپنے آبائی گاؤں ''ریحان چیمہ'' کے دو مخلص، جواں سال اور محنتی علماء مولانا سید محمد اسلم شاہ صاحب اور مولانا غلام مصطفیٰ صاحب فاروق کا تعاون اور خدمات حاصل ہیں۔ یہ دونوں مولانا قمر صاحب کی تالیفات کو بڑی محنت' محبت اور عقیدت سے ''مکتبہ کتاب وسنت'' کے زیر اہتمام چھپوانے اور تقسیم کرنے کا فریضہ لوجہ اللہ سرانجام دے رہے ہیں، جو دین کی بہت بڑی خدمت اور صدقہ

جاریہ ہے۔

میری دلی دعا ہے کہ خالقِ کائنات اس عظیم کتاب کے مصنف، محقق، مصحح اور ناشر کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت نصیب فرمائے اور دنیا و آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

راقم

عبدالستار حامد

خطیب جامع مسجد توحیدیہ اہلحدیث، وزیر آباد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

افتتاحیہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ، وَنَسْتَعِیْنُہٗ، وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِيَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، أَمَّا بَعْدُ!

ریڈیو متحدہ عرب امارات، ام القیوین کی اردو سروس سے اپنے روزانہ پروگرام ''دین و دنیا'' کے تحت نشر کی گئی وہ تقاریر جن کا تعلق ''قربانی اور عیدین'' کے احکام و مسائل سے ہے، انھیں کتابی شکل دے کر آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس کا قربانی سے متعلقہ جزو دوم قبل ازیں ہماری کتاب ''سوئے حرم'' کے آخری باب کے طور پر بھی شائع ہو چکا ہے، جس کی تخریج ہمارے فاضل دوست جناب حافظ عبدالرؤف صاحب (اوقاف و امور اسلامیہ، شارجہ، حال مقیم: کویت) نے کی تھی، جس سے کتاب کی اہمیت دو چند ہوگئی۔ ان کی اس تخریج سے قربانی والے حصے کی تخریج ہم نے یہاں بھی ذکر کردی ہے اور موصوف کی بنائی ہوئی فہرستِ مصادر و مراجع اور ان کتابوں کے نام جن کا تذکرہ ''مسائل و احکام قربانی'' کی تخریج میں آیا ہے، اس کتاب کے آخر میں بھی درج کردیے ہیں۔ فجزاہ اللّٰہ خیرا، وزادہ علماً و تحقیقاً.

ہم نے اپنی حد تک تو کوشش کی ہے کہ ''عیدین و قربانی'' سے متعلقہ تمام

ضروری احکام و مسائل اس کتاب میں یکجا ہو جائیں لیکن ''کتاب اللہ'' کے سوا کسی کتاب کے مکمل ہونے کا ''دعویٰ'' کرنا بھی ایک ''جسارت'' سے کم نہیں، لہٰذا قارئین کرام جہاں کہیں کوئی کوتاہی یا کمی پائیں تو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح و تکمیل کی جاسکے۔

ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند جناب مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کی توجہ سے یہ کتاب اب موجودہ شکل میں ہندوستان میں پھر سے منظر عام پر آئی ہے۔ اور اب پاکستان سے بھی شائع ہو رہی ہے، جس کے لیے ہمارے ساتھ معروف سماجی شخصیت اور مخیّر تاجر جناب انجینئر محمد طارق برلاس حفظہ اللہ (الطّویرقی گروپ آف کمپنیز) نے تعاون کیا ہے۔ وفقنا اللّٰہ وإیاہ لما فیہ خیر و تقبلہ منا وجعلہ خالصاً لوجھہ الکریم

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور قارئین کی راہنمائی کا سبب بنائے۔ نیز مؤلف محقق اور ناشر کے لیے دنیوی فلاح اور اخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

الخبر سعودی عرب
۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
۱۹/ اکتوبر ۱۹۹۸ء

ابو عمران / محمد منیر قمر
ترجمان سپریم کورٹ، الخبر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ثمراتِ رمضان
اور
نمازیوں کی اقسام

فضائل و برکات اور انوار و تجلیات پر مشتمل ماہ رمضان المبارک میں جنھوں نے صیام و قیام اور تلاوتِ قرآن نیز ادائیگی زکاۃ اور صدقات و خیرات سے اپنے رب کو راضی کر لیا، انھیں مبارک ہو! اللہ ان کی عبادتیں اور ریاضتیں قبول فرمائے اور جن لوگوں نے غفلت وکوتاہی سے اس سنہری موقع کو ضائع کر لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور انھیں توبہ و انابت الی اللہ کی توفیق سے نوازے۔

یہاں ہم "ثمراتِ رمضان" کے طور پر چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

(1) نماز پنجگانہ کا اہتمام:

رمضان المبارک میں آپ نے پنجگانہ نماز کے ساتھ ساتھ تراویح و نوافل کا خوب اہتمام کیا اور انھیں باجماعت ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور تلاوتِ قرآن سے اپنے قلب و روح کو منور کیا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ سب امور صرف رمضان المبارک کی حد تک ہی تھے اور کیا عید کے ساتھ ہی ان امور کو بھی سال بھر کے لیے الوداعی سلام کر دیا جائے؟ اب تلاوت و نوافل تو کجا، کیا

نماز پنجگانہ کی فکر بھی نہیں رہے گی؟ جیسا کہ کسی موسمی قسم کے مسلمان یا جاہل نادان کا مقولہ ہے:

”دو رکعت نماز عید الفطر۔ کھائی سویّاں اور گئی فکر“

بھائی! فرض روزوں کی فکر تو آئندہ سال تک واقعی ختم ہوئی مگر کیا نمازوں کی فکر بھی اس کے ساتھ ہی جاتی رہے گی؟ نہیں اور ہر گز نہیں۔ نماز پنجگانہ ہر مسلمان پر ہر روز فرض ہے۔ چاہے رمضان ہو یا کوئی دوسرا مہینہ۔ لہٰذا نمازوں کی ادائیگی کا وہی اہتمام رہنا چاہیے جس کا سبق ہم نے رمضان المبارک میں سیکھا ہے اور تاحین حیات یہ مسلمانوں پر فرض ہے۔ کیونکہ سورہ حجر میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [الحجر : ۹۹]

”اور تادم موت (جس کا آنا یقینی امر ہے) اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔“

اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے، جیسا کہ بے شمار احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا عید الفطر کے ساتھ ہی نماز پنجگانہ کی فکر نہیں جانی چاہیے۔ سلفِ امت میں سے ایک اللہ والے کو کہا گیا کہ بعض لوگ رمضان میں تو اللہ کی عبادت کرتے ہیں، پھر اس کے بعد سب کچھ چھوڑ بیٹھتے ہیں تو اس نے کہا:

”بِئْسَ الْقَوْمُ قَوْمٌ لَا يَعْرِفُوْنَ لِلّٰهِ حَقًّا اِلَّا فِيْ رَمَضَانَ“

”کتنے برے ہیں وہ لوگ جو صرف رمضان میں ہی اللہ کے حق کو پہچانتے ہیں۔“

اور ساتھ ہی اپنے مخاطب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”كُنْ رَبَّانِيًّا وَ لَا تَكُنْ رَمَضَانِيًّا“

”صرف رمضانی نہ رہو بلکہ ربانی (ہمیشہ اللہ والے) بنو۔“

(کتاب الصیام، شیخ عبداللہ آل محمود، ص ۷۵، طبع قطر)

نمازیوں کی اقسام

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ موسمی عبادت گزاروں یا رمضانی نمازیوں کی طرح ہی نمازیوں کی چند اور قسمیں بھی ہیں:

① آٹھ کے نمازی:

وہ لوگ جو سارا ہفتہ پنجگانہ نمازوں سے تو قطعی غافل و بیگانہ رہتے ہیں کہ جیسے ان پر فرض ہی نہیں لیکن جب آٹھ دن کے بعد نماز جمعہ کا وقت آتا ہے تو نہا دھو کر خوب بنے ٹھنے اور اُجلا لباس پہنے مسجد میں پہنچ جاتے ہیں۔

② اکٹھ کے نمازی:

وہ لوگ جو عام طور پر پنجگانہ نماز تو کیا، نماز جمعہ بھی ادا نہیں کرتے، البتہ اگر کبھی کسی خوشی یا غمی کے موقع پر کچھ ایسے لوگوں کی مجلس میں اکٹھے بیٹھے ہوں جو اذان کی آواز کے ساتھ اٹھ کر مسجد کو چل دیں تو یہ صاحب بھی چار و ناچار ان کے ساتھ ہی مسجد سے ہو آتے ہیں۔

③ تین سو ساٹھ کے نمازی:

وہ لوگ جو پنجگانہ نماز اور جمعہ بھی ادا نہیں کرتے۔ اگر کہیں کچھ ایسے لوگوں کا اکٹھ ہو جو نمازی ہوں اور اذان سن کر نماز کے لیے چل دیں تو یہ صاحب اس وقت بھی نظریں بچا کر اِدھر اُدھر ''کھسک'' جاتے ہیں لیکن سال بھر کے تقریباً تین سو ساٹھ دنوں کے بعد جب عید آتی ہے تو اس میں بڑے شوق کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔

④ کھاٹ کے نمازی:

وہ لوگ جو عموماً رسم و رواج کے بندھے بندھائے صرف کسی کی نماز جنازہ

میں ہی شریک ہوتے ہیں تاکہ اپنے آپ کو میت کے پسماندگان کے شرکاءِ غم میں سے ثابت کرسکیں۔ اس کے علاوہ انھیں قسم ہے جو کوئی دوسری نماز ''چکھ'' پائیں۔

⑤ ٹھاٹھ کے نمازی:

نمازیوں کی ان چاروں غیر مطلوبہ قسموں کے بعد پانچویں اور مطلوبہ قسم آتی ہے جنھیں ''ٹھاٹھ کے نمازی'' کہیے جو نماز پنجگانہ کی پوری پابندی کرتے ہیں اور جنھیں عام طور پر پابند صوم و صلاۃ کہا جاتا ہے۔[1] اسلام میں دراصل انھیں لوگوں کو اصل مقام حاصل ہے۔ انھیں چھوڑ کر پہلی چاروں قسم کے نمازیوں کے بارے میں ہم کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ ان کی خدمت میں صرف اتنی التماس ہے کہ صاحبو! اسلام کے نظامِ عبادت میں اس قسم کے نمازیوں کا تو کوئی تصور ہی نہیں پایا جاتا، لہٰذا ؏

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

② اخلاقی و روحانی تربیت:

ثمراتِ رمضان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ جس طرح روزے کی حالت میں ہم پورا مہینہ اپنی آنکھوں، کانوں اور زبان کو فواحش و منکرات سے بچائے رکھتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے روزے کے قواعد و ضوابط کی پابندی نہ کرنے والے کے روزے کو ''محض بھوک اور پیاس'' قرار دیا ہے، جس کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ صحیحین، سنن ابو داود و نسائی اور موطا امام مالک میں ارشادِ نبوی ہے:

---

[1] بحوالہ روزنامہ ''جنگ'' لاہور

« إِذَا كَانَ صَوْمُ يَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ، وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ »②

''جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اسے چاہیے کہ فحش گوئی، بدکلامی اور سوقیانہ زبان درازی نہ کرے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص گالی گلوچ کرے اور لڑائی جھگڑا کرنا چاہے تو یہ اسے کہہ دے کہ میں تو روزے سے ہوں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبان پر کنٹرول کرنا اور فحش گوئی، بدکلامی، گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے رک جانا روزے کے آداب میں سے ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ رمضان المبارک گزر جانے کے بعد بھی ہم زبان کا تحفظ کرتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ روزے کی حالت میں اگر یہ امور ممنوع ہیں تو یہ مباح کب ہیں؟

ایسے ہی صحیح بخاری اور سنن ابی داود و ترمذی میں ارشادِ نبوی ہے:

« مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ، وَالْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ »③

''جو روزہ دار روزے کی حالت میں جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے باز نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے (اور بھوکا پیاسا مرنے) کی کوئی ضرورت نہیں۔''

اس ارشاد گرامی میں یہ بتایا گیا ہے کہ روزے کی حالت میں جھوٹ نہ بولنا قبولیتِ روزہ کی شرط ہے۔ یعنی اگر کوئی روزہ بھی رکھے اور جھوٹ بھی بولتا جائے تو

② صحيح البخاري، رقم الحديث (١٨٠٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٥١)
③ صحيح البخاري، رقم الحديث (١٨٠٤) سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٣٦٢)

اسے روزے کا ثواب نہیں ہوگا، وہ خواہ مخواہ ہی بھوک اور پیاس برداشت کر رہا ہے۔

اب یہ بتایئے کہ رمضان شریف گزرنے کے بعد کیا دروغ گوئی اور کذب بیانی حلال ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں!

③ قلب ونظر کی حفاظت:

روزے کے آداب ہی میں سے یہ بھی ہے کہ بندہ مذکورہ بالا افعال کو ترک کرنے کی طرح ہی دل و دماغ کو آوارگی و بدخیالی سے بچائے اور تصورات کی دنیا میں خوابوں کے محل تیار کرنے سے باز رہے۔ اسی طرح آنکھوں کو پریشان نظری سے راہ گزرتی غیرمحرم عورتوں کو تاڑنے سے روکے، اپنے کانوں کو ناجائز باتوں (چغلی وغیرہ)اور نازیبا و ناروا آوازوں (ساز اور گانے بجانے وغیرہ) سے بھی محفوظ رکھے۔

اب آپ دیکھیے! ان میں سے کوئی ایک بھی کام ایسا ہے جو رمضان میں تو منع ہو مگر دوسرے مہینوں میں جائز ہو؟ قطعاً نہیں! بلکہ جس طرح یہ تمام افعال روزے کی حالت میں ناجائز ہیں اسی طرح باقی ایام وشہور میں بھی ناروا اور غیر اخلاقی افعال شمار ہوتے ہیں، لہٰذا ان تمام افعال قبیحہ و شنیعہ کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنا چاہیے، تاکہ ہم ماہ رمضان المبارک، جو ہمارے لیے اخلاقی و روحانی تربیت کا مہینہ ہے، اس کے فوائد وثمرات سے مستفید ہونے کے سچے دعویدار بن سکیں۔ واللّٰه ولي التوفيق.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ و فلسفہ عید

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر قوم، خواہ وہ مذہب پرست ہو یا مذہب بیزار، اور خواہ وہ مہذب و شائستہ اور ترقی پسند و ترقی یافتہ ہو، یا تہذیب وتمدن کے نام سے ناآشنا، اس کے لیے کوئی نہ کوئی دن اجتماعی طور پر خوشی ومسرت کے اظہار کے لیے متعین ومقرر ہے۔ یہ ایک ایسی قومی عادت ہے جس کے ذکر سے کسی بھی زمانے میں کسی قوم کی تاریخ خالی نظر نہیں آتی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مذہبی اقوام کی عیدوں کو مذہبی تقدس حاصل ہوتا ہے اور جہاں مذہب سے کسی کو کوئی سروکار نہ ہو، وہاں کسی سیاسی یا سماجی راہنما کی یاد میں یا آزادی کے دن کی مناسبت سے تقریبات کا اہتمام ہوتا ہے۔

مذہبِ اسلام نے بھی اپنے ماننے والوں کے فطرتی جذبہ اظہارِ مسرت کا لحاظ رکھتے ہوئے انھیں بھی اس کے مواقع مہیا کیے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت اس ماحول میں وہ ساری برائیاں موجود تھیں جنہیں برائی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ شرک تھا، بت پرستی تھی اور ہر طرح کا اخلاقی انحطاط تھا۔ وہ لوگ ''ابراہیمی'' کہلوانے کے باوجود غیروں کے نقال اور مقلد تھے، یہاں تک کہ عید کے معاملے میں بھی وہ نوروز اور مہرجان جیسی مجوسی عیدوں یا تہواروں کے پابند تھے؛ اور کسی قوم کی ذلت وپستی کی یہ انتہا ہوتی ہے کہ وہ غم اور خوشی کے اظہار کے معاملوں میں بھی دوسروں کی نقال ہو؛ اس کی اپنی تاریخ اس معاملے میں اس کی کوئی

راہنمائی نہ کرے یا پھر وہ اپنے قومی مآثر کو ویسے ہی چھوڑ چکی ہو۔

ہمارے رسول مقبول ﷺ کی بعثت نے جزیرہ نمائے عرب میں ایک ایسا عظیم اور پر امن انقلاب برپا کیا جس سے زندگی کے تمام گوشے متاثر ہوئے۔ شرک کی جگہ توحید باری تعالی نے لے لی۔ بت پرستی کی بجائے عبادتِ الٰہی اور صرف رب واحد کی پرستش کے چرچے ہونے لگے۔ اخلاقی قدریں اپنا مقام پانے لگیں اور اغیار کی غلامی کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگیں۔ اس کے ساتھ فطرتِ انسانی کے مسلمہ جذبات اور جذبہ اظہارِ مسرت کا بھی خیال رکھا گیا، جیسا کہ سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، معانی الآثار طحاوی اور مسند احمد میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ اہل مدینہ نے بھی کھیل کود اور خوشی منانے کے دو دن مقرر کیے ہوئے ہیں، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بقول آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ لَكُمْ يَوْمَانِ تَلْعَبُوْنَ فِيهِمَا، وَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا: يَوْمَ الْفِطْرِ وَ يَوْمَ الْاَضْحٰى»④

”تم نے کھیل کود اور خوشی منانے کے دو دن مقرر کیے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان جاہلی تہواروں کے بدلے میں تمھارے لیے دو بہترین دن مقرر کیے ہیں اور وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن ہیں۔“

اس حدیث میں عیدین سے پہلے جن دو دنوں میں کھیل کود کا ذکر آیا ہے، صاحب التنقیح کے حوالے سے شیخ احمد عبدالرحمن البنا نے لکھا ہے کہ ”ان دو دنوں سے مراد نوروز اور مہرجان کے مجوسی تہوار ہیں۔“⑤

④ مسند أحمد (٣/ ١٧٨) سنن النسائي، رقم الحديث (١٥٥٦) وقال الألباني في تحقيق المشكاة (١/ ٤٥٢): "إسناده صحيح"

⑤ بلوغ الأماني شرح الفتح الرباني (٦/ ١١٩)

اس تبدیلی سے ایک طرف تو یہ بڑا فائدہ ہوا کہ ان جاہلی تہواروں، جو مشرکانہ رسوم سے وابستہ تھیں، کا خاتمہ ہوگیا اور دوسری طرف زیب و زینت اورخوشی ومسرت کے اظہار کے ساتھ ساتھ شعائر دینیہ کی عظمت لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہونے لگی، جبکہ مسلمانوں اور دوسری قوموں کی عیدوں میں یہی بنیادی اور امتیازی فرق ہے کہ دوسری قوموں کی عیدیں لہو ولعب، کھیل تماشا اور خرافات ولغویات کا مجموعہ ہوتی ہیں مگر مسلمان عید کے دن بھی نازیبا حرکات و اعمال کو دوسرے دنوں کی طرح ہی ناجائز سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کی عیدوں کا ایک خاص مقصد ہے اور وہی مقصد اس کی اصل روح و جوہر ہے۔عید الفطر کا مقصد رب العالمین کے انعامات و احسانات کا شکر ادا کرنا اور انتہائی عجز و انکساری کے ساتھ اپنی بے بضاعتی، کم مائیگی اور کوتاہ عملی کا اعتراف کرنا ہے؛ اور عید الاضحیٰ کا مقصد زندگی کے ہر موڑ پر قربانی، جاںنثاری، تسلیم ورضا اور اخلاص وتقوی کی روح پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے اور قربان کردینے کا وہ جذبہ پیدا کرنا ہے جس کا نمونہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زندگی میں قدم قدم پر ملتا ہے۔

گویا ایک عید (عید الفطر) بھوک و پیاس کی یادگار ہے۔رمضان المبارک غذا وخوراک کے غیر معتاد نظام کے ساتھ ختم ہوا۔اس امتحان میں کامیابی کے بعد ایک دن مسرتوں کے لیے وقف ہوگیا۔ دوسری عید میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی جفاکشی، ہجرت اور قربانی کے امتحانات میں کامیابی پر مسرت فرمائی گئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پاکیزہ خاندان کے ایثار ووفا کو تاریخی حیثیت عطا فرما کر اسے بقا و دوام عطا فرما دیا۔اس طرح جہاں ملت

اسلامیہ کو اغیار کی نقالی سے بچایا وہاں اپنی تاریخ کو عملاً زندہ فرمادیا۔

اور دوسری عید (عید الاضحیٰ) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس عظیم کارنامے کی یادگار بھی ہے جس میں وہ پیرانہ سالی کے باوجود حکم الٰہی کا اشارہ پاتے ہی اپنے اکلوتے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کر دیتے ہیں۔ عید الاضحیٰ اور قربانی ہی نہیں بلکہ پورا موسم حج اور اس کے ہر ہر رکن کے ساتھ تاریخ ابراہیمی کے ابواب منسلک ہیں۔ تعمیر کعبہ ہو کہ مقام ابراہیم، چاہ زمزم ہو کہ حجر اسماعیل (حطیم)، صفا و مروہ کی پہاڑیاں ہوں کہ ان کے مابین ''سعی''، منیٰ کی قربان گاہ ہو یا کنکریاں مارے جانے (رمی کیے جانے) والے جمرات۔ الغرض! خود شہر مکہ سمیت یہ سب مقامات خاندان خلیل اللہ علیہ السلام کی تاریخ ہی کے ابواب ہیں اور یہ سب مناسک حج وعمرہ اسی خاندان کی خلوص و وفا سے بھر پور اداؤں کی یادگاریں ہیں۔ اسی طرح ان دونوں عیدوں کے ذریعے خوشی ومسرت کے علاوہ اجتماعی انداز میں حمد ثنائے باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ باہم میل ملاپ کے مواقع مہیا ہو گئے۔

اسی طرح یہ دونوں عیدیں عبادت و ذکر الٰہی کے علاوہ شوکتِ اسلام کے اظہار کا ایک اہم ذریعہ بھی ہیں۔ عید کی اجتماعیت کو مزید وسعت دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی عید گاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتب میں وارد صحیح حدیث کی رو سے وہ عورتیں بھی اس عظیم اجتماعِ عید میں ضرور شامل ہوں جو فطری عذر (حیض) میں مبتلا ہوں لیکن فرمایا کہ وہ نماز تو نہ پڑھیں البتہ:

''يَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ''(٦)

(٦) صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٩٠)

''وہ مسلمانوں کے ساتھ خیر و برکت اور ان کی دعاؤں میں شریک ہو جائیں۔''

اس پر بس نہیں بلکہ عید کی اس اجتماعیت اور شوکتِ اسلام کے اظہار کو مزید مؤثر بنانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے یہ انداز بھی اختیار فرمایا کہ عید گاہ جانے اور واپس لوٹنے کے لیے الگ الگ راستے اختیار کیے تا کہ مسلمان بھی آپ کی اس سنت پر عمل کریں تو عید کے دن شہر، گاؤں، سڑکیں، بازار اور تمام گلی کوچے اللہ کی تکبیریں پکارنے والے مسلمانوں سے بھر جائیں۔ ⑦ یہ راستہ بدلنے کے فوائد و حکمتوں میں سے ایک ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل زاد المعاد، فتح الباری، نیل الاوطار، غنیۃ الطالبین اور الفتح الربانی کے حوالے سے ''راستہ بدلنے کی حکمت'' کے زیرعنوان آئندہ صفحات میں ذکر کی گئی ہے۔ ⑧

عید کس کی...؟

کتاب کے ابتدائی صفحات میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ماہ رمضان المبارک، روحانی تربیت کا ایک کورس ہے جسے ''ریفریشر کورس'' بھی کہا جاسکتا ہے، اور یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی کورس ختم ہوتا ہے تو ایک الوداعی پارٹی کا اہتمام کیا جاتا ہے؛ اسی طرح ایک کانووکیشن منعقد کر کے اس میں کامیاب ہونے کی اسناد تقسیم کی جاتی ہیں۔

⑦ مختصراً از رسالہ ''عید الفطر، تاریخ و مقصد'' از مولانا محمد یوسف انور، فیصل آباد، ماہنامہ ''آثار'' مئوناتھ بھنجن، یوپی (جلد دوم شمارہ ۹۰، ذوالحجہ ۱۴۰۴ستمبر ۱۹۸۴) پندرہ روزہ ''ترجمان دہلی'' (جلد ششم شمارہ رمضان ۱۴۰۶ھ جون ۱۹۸۶ء) ہفت روزہ ''اہل حدیث'' لاہور (جلد ۱۷، شمارہ ۲۳-۲۴ رمضان ۱۴۰۶ھ، جون ۱۹۸۶ء)

⑧ دیکھیں: [ص: ۵۳]

ہمارا دین اسلام بھی چونکہ دین فطرت ہے، انسان کے طبعی میلانات اور فطری خواہشات کا پورا پورا خیال رکھتا ہے، لہٰذا اسلام نے اپنے ماننے والوں اور ایک ماہ کے روزوں کا یہ تربیتی کورس پاس کرنے والے لوگوں کے لیے ایک الوداعی پارٹی اور جلسہ تقسیم اسناد کا اہتمام کر رکھا ہے جو عید الفطر کی شکل میں ہے، جسے ''میٹھی عید'' بھی کہا جاتا ہے۔ عید کے دن کی شیرینیاں اللہ کے بندوں کے لیے ایک ضیافت الٰہی یا الوداعی پارٹی ہے۔ عید کے لغوی و اصطلاحی وجہ تسمیہ میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ جب مسلمان نماز عید سے فارغ ہو جاتے ہیں تو ''عُوْدُوْا اِلٰی مَنَازِلِکُمْ مَغْفُوْرًا لَّکُمْ'' کی منادی کی جاتی ہے کہ'' اے مومنو! اپنے گھروں کو خوشی خوشی لوٹ جاؤ کہ ماہ رمضان کے صیام و قیام اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے تم بخش دیے گئے۔'' ⑨

حضرت جیلانی رحمہ اللہ کے یہ الفاظ ایک حدیث سے ماخوذ ہیں، جو شعب الایمان بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث کا حصہ ہیں۔ اس میں مرفوعاً یہ الفاظ آئے ہیں:

''... فَاِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدِهِمْ ـ یَعْنِيْ یَوْمَ فِطْرِهِمْ ـ بَاهٰی بِهِمْ مَلَائِكَتَهٗ فَقَالَ : یَا مَلَائِکَتِيْ! مَا جَزَاءُ اَجِیْرٍ وَفّٰی عَمَلَهٗ ؟ قَالُوْا: رَبَّنَا! جَزَاؤُهٗ اَنْ یُوَفّٰی اَجْرُهٗ ، قَالَ: یَا مَلَائِکَتِيْ! عَبِیْدِيْ وَ اِمَائِيْ، قَضَوْا فَرِیْضَتِيْ عَلَیْهِمْ، ثُمَّ خَرَجُوْا یَعُجُّوْنَ اِلَی الدُّعَاءِ، وَ عِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَ کَرَمِيْ وَ عُلُوِّيْ وَ ارْتِفَاعِ مَکَانِيْ: لَاُجِیْبَنَّهُمْ ، فَیَقُوْلُ: اِرْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ، وَ بَدَّلْتُ سَیِّئَاتِکُمْ

⑨ غنیۃ الطالبین (۱/۲/۲۳) مترجم اردو مولانا راغب رحمانی، طبع نفیس اکیڈمی کراچی۔

حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ "⑩

"جب عید الفطر کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے فخریہ کہتا ہے: اے میرے فرشتو! اس مزدور کا بدلہ کیا ہے جو اپنی مزدوری مکمل کرلے؟ وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی مزدوری اسے پوری دی جائے۔ تب وہ کہتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے بندے اور بندیاں میری طرف سے ان پر عائد کردہ فریضہ (صوم رمضان) ادا کرنے کے بعد اب مجھ سے دعائیں کرنے کے لیے میدان میں نکل آئے ہیں؛ مجھے میری عزت وجلال، کرم وعلو اور رفعت مکانی کی قسم! میں ان کی دعائیں اور حاجتیں ضرور پوری کروں گا۔ اور کہتا ہے: جاؤ (اپنے گھروں کو) لوٹ جاؤ، میں نے تمھیں بخش دیا اور تمھارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح وہ بخشے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔"

لیکن یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔ اس کی سند کے ایک راوی "اصرم بن حوشب" کو امام ابن حبان، یحییٰ، بخاری، مسلم، نسائی، دارقطنی، حاکم اور نقاش نے حرف تنقید بنایا ہے۔ یہی روایت الترغیب رابن شاہین اور الضعفاء عقیلی میں عباد بن عبدالصمد کے طریق سے بھی مروی ہے، لیکن امام بخاری، ذہبی، ابو حاتم اور عقیلی نے اس پر کلام کیا ہے۔ الفردوس دیلمی میں بھی یہ روایت ابان کے طریق سے مروی ہے لیکن امام سیوطی نے کہا ہے کہ ابان متروک ہے۔ البتہ اس روایت کا ایک شاہد ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جسے امام منذری نے الترغیب میں، ابو الشیخ ابن حیان نے کتاب الثواب میں اور امام

⑩ شعب الإيمان (٣/ ٣٤٣)

بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند کے بارے میں امام منذری نے کہا ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی ایسا نہیں جس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہو۔ ⑪

اس شاہد کی بنا پر مذکورہ روایت کو کچھ تقویت پہنچ جاتی ہے جیسا کہ علامہ عبیداللہ رحمہ اللہ کے انداز سے مترشح ہوتا ہے۔

اندازہ فرمائیں کہ بھلا کسی کورس کو پاس کر لینے کی سند اخروی فوز وفلاح کے سرٹیفکیٹ سے بڑھ کر ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ لیکن ٹھہریے! کیا یہ درست نہیں کہ اسناد صرف انھیں لوگوں کو ملتی ہیں جو کورس پاس کریں؟ اگر یہ بات درست ہے تو پھر یقین رکھیے کہ عید الفطر اپنے جلو میں جو خوشیاں اور مسرتیں لاتی ہے اور ہلال عید اپنے دامن میں جن اجالوں کو بھر کر جلوہ افروز ہوتا ہے، اس کے حقیقی مستحق صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنھوں نے مہینہ بھر یہ کورس کیا، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اپنے نفس کے مطالبوں پر اپنے خالق و مالک کی مرضی کو ترجیح دی اور بھوک و پیاس کی مشقتیں برداشت کیں؛ جنھوں نے شب زندہ داری کی، نیند کے جھولوں پر بے خوابی کو ترجیح دی؛ اپنے اوقات کو تلاوتِ قرآن سے منور کیا اور لغویات وخرافات سے دامن کش رہے۔ ہاں! تو فرمایئے، کیا آپ نے بھی پورا مہینہ اسی طرح گزارا ہے؟ خواہشاتِ نفس کو حکم رضائے الٰہی پر قربان کیا ہے؟ کیا آپ نے اپنی آنکھوں، کانوں اور زبان پر احتساب کے پہرے بٹھائے تھے؟ کیا آپ نے نرم و گداز مخملیں گدوں پر جانماز کو مقدم رکھا ہے؟ کیا آپ نے اپنی دعائے نیم شبی میں اپنی ردائے معصیت کے داغوں کو اشکہائے ندامت سے پاک کرنے کی کوشش کی تھی؟

---

⑪ تفصیل کے لیے دیکھیں: مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، علامہ عبید اللہ رحمانی (۴/ ۳۰۹۔۳۱۰)

اگر یہ سب کچھ آپ مہینہ بھر کرتے رہے ہیں تو تمھیں بشارت ہو کہ یہ عید تمھاری ہے؛ یہ ساری خوشیاں اور مسرتیں تمھیں مبارک ہوں؛ یہ الوداعی پارٹی اور اخروی فوز و فلاح کا سرٹیفکیٹ تمہارا ہی حق ہے۔

اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اسلام کے مزاج کو رہبانیت یا گوشہ نشینی سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ اسلام میں قلب و روح کے لطائف سے لے کر جسم و جان کے تقاضوں تک ہر چیز کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے اور ماہ رمضان میں ہمیں ذاتی خواہشات کی اس ادنی سطح سے اٹھا کر رضائے الٰہی کے فراز اعلی تک پہنچا دیا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس ماہ کے دنوں میں ہم کچھ کھاتے پیتے نہیں، تو یہ محض اس بنا پر ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کا حکم ہی یہی ہے۔ غروب آفتاب پر ہمارا ہاتھ بے اختیار دسترخوان کی طرف لپکتا ہے تو وہ اس لیے کہ اس جان جاں کا اشارہ اسی طرف ہے۔ گویا ہم اپنے جذبات و خواہشات کے تابع نہیں بلکہ قلب و ضمیر میں تسلیم و رضا کے شعور نے ہمیں اللہ و رسول کے احکامات کا تابع کر دیا ہے اور عید کے دن اجلے لباس، متبسم چہرے اور ناؤ نوش کا اہتمام روزہ داروں کی اسی خوشی کا غماز ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی تربیت کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور یہ عید دراصل انھیں عبادت گزاروں کا جشن تہنیت ہے۔

لیکن جن لوگوں نے کسی بھی شرعی عذر کے بغیر اس ماہ کے روزے ہی نہیں رکھے یا باقاعدہ روزوں کا اہتمام نہیں کیا۔ نہ دنوں کو صیام سے سنوارا، نہ راتوں کو قیام سے مزین کیا، نہ تراویح کی سنت ادا کی، نہ نوافل سے کوئی سروکار رکھا اور نہ ہی تلاوتِ قرآن کی حلاوت سے آشنا ہوئے بلکہ اس کے برعکس اس سعادت پرور ماہ کی راتوں کو فحش فلمیں دیکھنے یا تاش و شطرنج جیسے لغو کھیلوں کی نذر کر دیا اور اس ماہ مبارک کے دنوں میں بھی ناؤ نوش کے ساتھ اپنے کام و دہن کی

تواضع کرتے رہے، تو پھر معاف کرنا... آپ سرے سے ان لوگوں میں داخل ہی نہیں جنھیں کہا جاتا ہے: "عُوْدُوْا اِلٰی مَنَازِلِکُمْ مَغْفُوْرًا لَّکُمْ" کہ خوشی خوشی اپنے گھروں کو چلے جاؤ تم بخش دیے گئے ہو۔ نہ یہ منادی آپ کے لیے اور نہ فوز وفلاح کے سرٹیفکیٹ آپ کے لیے۔ اب فرمایئے تو سہی کہ آپ خوش کس بات پر ہیں؟

ذرا آپ ہی بتائیں کہ جب آپ نے رمضان کو رمضان سمجھا ہی نہیں تھا تو یہ عید آپ کی کیونکر ہو سکتی ہے؟ خوشی کی اسناد آپ کو کس حق کی بنا پر دی جائیں جبکہ آپ نے کورس ہی نہیں کیا؟ اس تربیتی کورس کے امتحان میں بیٹھے ہی نہیں۔ وہ شخص جسے اللہ نے دولتِ عقل و دانش سے نواز رکھا ہے، وہ یہی کہے گا کہ ایسے لوگوں کو عید کی خوشیاں منانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

لیکن دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ عید کی تیاریاں کرنے اور خوشیاں منانے میں عموماً وہ لوگ پیش پیش ہوتے ہیں جنھوں نے پورا مہینہ روزہ چکھ کر بھی نہیں دیکھا ہوتا۔ ان احباب کی خدمت میں عربی کے چند اشعار پیش کیے دیتے ہیں کیونکہ ایک تو لغتِ عرب اپنی فصاحت و بلاغت میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی کہ چند کلمات میں وہ کچھ سمویا ہوا ملتا ہے جسے کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے کئی گنا زیادہ الفاظ کی ضرورت ہے اور پھر شعر کی زبان تو ہر لغت میں "دریا در کوزہ" کا مصداق ہوتی ہے؛ اور جب شعر بھی عربی ہوں تو چند ہی اشعار میں معانی کا ایک جہان آباد ملتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِیْدَ
اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ خَافَ الْوَعِیْدَ

"عید اس کی نہیں جس نے نئے کپڑے پہن لیے، بلکہ عید تو اس کی ہے جو عذاب سے ڈر گیا (اور اسے امن مل گیا)۔"

لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ تَبَخَّرَ بِالْعُوْدِ
اِنَّمَا الْعِيْدُ لِلتَّائِبِ الَّذِيْ لَا يَعُوْدُ

''عید اس کی نہیں جو عود وعطریات سے خوشبو حاصل کر لے بلکہ عید تو اس کی ہے جو ایسی توبہ کرے کہ پھر گناہ کی طرف نہ لوٹے۔''

لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ زَيَّنَ بِزِيْنَةِ الدُّنْيَا
اِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ تَزَوَّدَ بِزَادِ التَّقْوٰى

''عید اس کی نہیں جو آرائشِ دنیا سے مزین ہو بلکہ عید تو اس کی ہے جو تقوی کو زادِ آخرت بنا لے۔''

لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ رَكِبَ الْمَطَايَا
اِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ تَرَكَ الْخَطَايَا

''عید اس کی نہیں جو قیمتی سواریوں پر سوار ہو بلکہ عید تو اس کی ہے جس نے گناہوں کو ترک کر دیا۔''

لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ بَسَطَ الْبِسَاطَ
اِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ جَاوَزَ الصِّرَاطَ

''عید اس کی نہیں جو عید ملن پارٹیوں کے دسترخوان بچھائے بلکہ عید تو اس کی ہے جو پلِ صراط سے سلامتی کے ساتھ گزر گیا۔''

ہاں، تو صاحبو!

اب ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر خود طے کر سکتا ہے کہ یہ عید کس کی ہے؟ مگر سنیئے! اس گفتگو سے ہمارا مقصد صرف شہادت حق ہے، کسی کو مایوس کرنا ہرگز مطلوب نہیں۔ اور ویسے بھی سینے میں اگر ایمان کی ذرا سی دولت بھی موجود ہو تو مایوس ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ سورہ زمر کی آیت (۵۳) میں

ارشاد الٰہی ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ کا یہی مفہوم تو ہے۔ ابلیس لعین کے سوا رحمتِ الٰہی اور توبہ کا دروازہ ہر کسی کے لیے کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات غافر الذنوب بلکہ غفور و رحیم ہے۔ جو بے مانگے بھی دیتا ہے وہ مانگنے پر کیوں نہ دے گا؟ وہ اشک ہائے ندامت سے بھیگی آنکھوں اور اٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹاتا، لٰہذا اب بھی موقع ہے، اپنے رب کریم کی طرف لوٹ آیئے؛ وہ ضرور آپ کی دستگیری کرے گا۔ اس طرح آئندہ عید کی حقیقی مسرتوں کے استحقاق کے ساتھ ہی موجودہ عید بھی آپ کی ہوگی اور آئندہ عید بھی، کیونکہ وہ ذات الٰہی کسی کو مایوس نہیں لوٹاتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما، درگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی، باز آ ⑭

⑭ مستفاد از ہفت روزہ ''الاسلام'' لاہور (جلد ۱۰، شمارہ ۶-۷، ۱۹۸۳ء)

مسائلِ عید

آغاز و ابتداء:

نمازِ عید کی ابتداء کب ہوئی؟ اس سلسلے میں امام رافعی رحمہ اللہ نے الشرح الکبیر میں لکھا ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے جو عید پڑھی وہ عید الفطر تھی اور اس کی ابتداء ۲ھ میں ہوئی۔ پھر آپ ﷺ تاحیات ہر سال دونوں عیدیں پڑھتے رہے، البتہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے منیٰ میں نمازِ عید اور جمعہ ادا نہیں فرمائے کیونکہ آپ مسافر تھے۔ (۱۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" میں لکھا ہے کہ نمازِ عید کی ابتداء کب ہوئی؟ یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتی، البتہ کتبِ سیرت میں یہ بات مشہور ہے کہ مشروعیت کے اعتبار سے دونوں میں سے پہلی عید الفطر ہی تھی، جو ۲ھ میں ادا کی گئی۔ (پھر موصوف نے امام رافعی رحمہ اللہ والی تفصیل بھی ذکر کی ہے) (۱۴)

عید کی شرعی حیثیت:

شرعی حیثیت سے نمازِ عید احناف کے نزدیک واجب، حنابلہ کے نزدیک

(۱۳) الفتح الربانی (٦/ ١١٩) التلخیص (١/ ٢/ ٧٩)

(۱۴) التلخیص الحبیر (۱/ ۲/ ۷۹، طبع جامعہ سلفیہ فیصل آباد) نیز دیکھیں: الفتح الربانی شرح و ترتیب مسند أحمد (۶/ ۱۱۹) طبع دار الشہاب، قاہرہ، مصر۔

فرض کفایہ، مالکیہ کے نزدیک واجب اور دیگر اہل علم کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ ⑮ عہدحاضر کے محققین میں سے حضرت العلام مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے اس کے وجوب کی طرف اپنا رجحان فرمایا ہے۔ ⑯ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف میلان ہے اور اسے ہی انہوں نے حق قرار دیا ہے ⑰ اور نواب صدیق حسن خان اور امام شوکانی رحمہ اللہ کا اختیار بھی یہی ہے۔ ⑱

ان تصریحات سے نمازِ عید کی اہمیت واضح ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ نماز عید میں شامل ہونا سخت ضروری ہے۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو عید کی رات کو الٹے سیدھے کھیل تماشوں میں گزار کر رات گئے سوتے ہیں اور صبح نماز عید میں شریک ہونے سے رہ جاتے ہیں۔ جو نماز عید میں شرکت نہ کر سکا، اس کا نماز فجر میں شریک ہونا ویسے ہی قرین قیاس نہیں جو بالاتفاق فرض ہے۔

یوم عید سے پہلی رات:

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ عید کی رات کو محض کھیل تماشے میں گزار دینا درست نہیں کیونکہ شب عید بھی عبادت کی رات ہے۔ اس رات میں عبادت کی فضیلت کے بارے میں کئی مرفوع روایات منقول ہیں، جو بلوغ الامانی ترتیب و شرح مسند احمد میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ⑲ لیکن ماہرینِ علم حدیث

⑮ تفصیل کے لیے دیکھیں: المجموع شرح المهذب للنووي (٥/ ٣ طبع مصر) الفقه على المذاهب الأربعة، الفتح الرباني (٦/ ١٣٩۔ ١٤٠) المغني ابن قدامه (٣/ ٢٥٢۔ ٢٥٥ طبع جديد) فقه السنة، اردو از محمد عاصم (١/ ٣٠٦)

⑯ پندرہ روزہ ''ترجمان'' دہلی، جلد ٦، شمارہ ١١-١٢۔عید الفطر نمبر ١٩٨٦ء۔

⑰ تمام المنة (ص: ٣٤٤)

⑱ الروضة الندية (١/ ٤٢، طبع بيروت) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣١٠۔ ٣١١)

⑲ بلوغ الأماني ترتيب و شرح مسند أحمد الشيباني (٦/ ١٧٣، دار الشہاب، قاہرہ) نیز دیکھیں: التلخيص الحبير للعسقلاني حافظ ابن حجر (١/ ٢/ ٨٠)

(محدثین کرام) کے نزدیک وہ روایات ضعیف ہیں، لہٰذا ان کے تذکرے سے ہم بھی صرف نظر کرتے ہیں، البتہ بعض صحابہ و تابعین کے آثار سے اس رات کے قیام و عبادت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ امام مروزی رحمہ اللہ نے اپنی معروف کتاب "قیام اللیل" (ص: ۱۱۰) میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

" مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْعِيْدِ إِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حِيْنَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ"[۲۰]

"جو شخص عید کی رات اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور رضائے الٰہی کی تلاش کی خاطر قیام کرے گا، اس کا دل قیامت کی ہولناکیوں میں مطمئن رہے گا۔"

عید کے دن غسل:

نماز عید کے لیے جانے سے قبل غسل کرنا مستحب ہے، اس پر تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ اس سلسلے میں مسند بزار اور شرح السنہ بغوی میں کئی مرفوع روایات مذکور ہیں، لیکن ابن معین اور ابو حاتم جیسے کئی محدثین کرام نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔[۲۱] البتہ مؤلف البدر المنیر کے بقول اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کئی آثار پائے جاتے ہیں جو سند کے اعتبار سے بھی جید ہیں؛ مثلاً مسند شافعی اور موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے:

" كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ اَنْ يَغْدُوَ إِلَى الْمُصَلّٰى"[۲۲]

---

(۲۰) مختصر قيام الليل للمروزي (ص: ۱۱۰)

(۲۱) زاد المعاد (۱/ ۴۴۲، تحقيق الأرناؤوط) التلخيص الحبير (۱/۲/۸۰۔۸۱)

(۲۲) موطأ الإمام مالك (۱/ ۱۷۷) مسند الشافعي (ص: ۷۳)

''وہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل اس کی اہمیت کا ثبوت ہے کیونکہ ان میں اتباعِ سنت کے سلسلے میں جو والہانہ پن پایا جاتا تھا وہ معروف امر ہے۔

خوب صورت لباس اور خوشبو کا اہتمام:

عید کے دن اچھا لباس پہننا اور خوشبو لگانا مسنون ہے، کیونکہ معجم طبرانی اوسط، اور کتاب الام شافعی میں حضرت ابن عباس، حضرت جابر اور جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ (رضی اللہ عنہم) سے مختلف الفاظ میں یہ حدیث مروی ہے:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَلْبَسُ يَوْمَ الْعِيْدِ بُرْدَةً حَمْرَآءَ » (۴۳)

''نبی اکرم ﷺ عید کے دن اپنی سرخ دھاریوں والی چادر پہنا کرتے تھے۔''

نیز صحیح ابن خزیمہ کے الفاظ ہیں:

« فِي الْعِيْدَيْنِ وَ فِي الْجُمُعَةِ » (۴۴)

''دونوں عیدوں اور جمعہ کے دن۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ آپ سب سے خوبصورت لباس میں عیدین اور جمعہ کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ (۴۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی صحیح حدیث کے سوا دوسری کوئی بھی حدیث نہ

---

(۴۳) المعجم الأوسط (۷/ ۳۱۶) امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رجاله ثقات'' (مجمع الزوائد: ۲/ ۴۳۱) نیز دیکھیں: السلسلة الصحيحة (۱۲۷۹) تمام المنة (ص: ۳۴۵)

(۴۴) دیکھیں: سنن البيهقي (۳/ ۲۸۰) اس کی سند ضعیف ہے۔

(۴۵) زاد المعاد (۱/ ۱۲۱۔قدیم) و (۱/ ۴۴۔جدید محقق)

ہوتی تو وہ اکیلی بھی اپنے مقصود کے لیے کافی ہے، لہٰذا حضرت جابر و جعفر رضی اللہ عنہما کی روایات متکلم فیہ سہی لیکن ان کی مؤید و شاہد تو ضرور ہیں۔

اور عیدین کے لیے خوشبو لگانے کے سلسلے میں معجم طبرانی کبیر، مستدرک حاکم اور فضائل الاوقات، بیہقی میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَتَطَيَّبَ بِاَجْوَدِ مَا نَجِدُ فِي الْعِيْدِ » (۲۶)

''نبی اکرم ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم عید کے دن سب سے عمدہ خوشبو استعمال کریں۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''التلخیص الحبیر'' میں اس روایت کے ایک راوی اسحٰق کے بارے میں امام حاکم کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے اسے مجہول کہا ہے اور ازدی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ البتہ امام ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۲۷) امام ابن حبان کی توثیق اہل علم کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتی جیسا کہ معروف ہے۔ البتہ عیدین میں اچھے لباس اور خوشبو (تجمل) کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مستقل باب قائم کیا ہے: ''باب في العيدين و التجمل فيه'' اور اس باب کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث ذکر کی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بازار میں ایک ریشمی جبہ فروخت ہوتے دیکھا تو اٹھا کر نبی اکرم ﷺ کے پاس لے گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ!

'' اِبْتَعْ هٰذِهٖ تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيْدِ وَالْوُفُوْدِ (وَ فِيْ رِوَايَةٍ: لِلْجُمُعَةِ بَدَلَ الْعِيْدِ)'' (۲۸)

(۲۶) المستدرك (٤/ ٢٥٦) المعجم الكبير (٣/ ٩٠)

(۲۷) التلخيص الحبير (١/ ١٤٣)

(۲۸) صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٤٣٩) باب في العيدين والتجمل فيه.

''آپ یہ خرید لیں اور عید یا وفود کی حاضری کے موقع پر اس سے زینت اختیار کریں۔''

یہ سالم کی روایت ہے، اور نافع کی روایت میں عید کی بجائے جمعہ کا لفظ ہے اور وہ بھی صحیح بخاری میں موجود ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں ہی صحیح ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تو یہ دونوں لفظ ذکر کیے تھے لیکن ان ہر دو راویوں نے ایک ایک لفظ پر اختصار کیا ہے۔ (۲۹)

غرض اس حدیث میں موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جبہ کے ریشمی ہونے کی وجہ سے اسے خرید کر پہننے سے انکار فرما دیا تھا۔ (۳۰)

اس کے باوجود اس حدیث سے تجمل کی مشروعیت پر یوں استدلال کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ریشمی ہونے کی وجہ سے خرید کر پہننے کا انکار فرمایا تھا لیکن اصل تجمل و تزئین کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں کیا تھا۔ شارح بخاری نے ذکر کیا ہے کہ ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے روایت بیان کی ہے جس کی سند کو انھوں نے صحیح قرار دیا ہے، اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے:

'' اِنَّهٗ كَانَ يَلْبَسُ اَحْسَنَ ثِيَابِهٖ فِي الْعِيْدَيْنِ'' (۳۱)

''وہ عیدین کے موقع پر اپنے خوبصورت ترین کپڑے پہنتے تھے۔''

اس تفصیل سے ''تجمل'' کی مشروعیت و استحباب ثابت ہوگیا، اور ''تجمل'' میں اچھے لباس کے علاوہ خوشبو کا استعمال بھی شامل ہے۔

---

(۲۹) فتح الباری (۲/ ۴۳۹) طبع دار الافتاء، سعودی عرب
(۳۰) بخاری (۲/ ۴۳۹)
(۳۱) فتح الباری (۲/ ۴۳۹)

نمازِ عید الفطر کے لیے کچھ کھا کر جانا اور عید الاضحیٰ سے واپس آ کر کھانا:

متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ عید الفطر کے دن کچھ نہ کچھ کھا کر عید گاہ کی طرف جانا چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ وہ کوئی میٹھی چیز ہو؛ چنانچہ صحیح بخاری، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، سنن بیہقی اور مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَ يَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا »(٣٢)

''عید الفطر کے دن نبی ﷺ کچھ کھجوریں کھا کر نکلا کرتے تھے اور آپ ﷺ طاق تعداد میں کھجوریں کھایا کرتے تھے۔''

یاد رہے کہ نبی اکرم ﷺ تو کھجوریں کھانے میں طاق (۱،۳،۵،۷،۹) کا خیال فرمایا کرتے تھے، لہٰذا اگر ہمیں سنتِ رسول محبوب ہے تو ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے، اور اگر کھجوریں نہیں تو کم از کم لقموں میں ہی طاق کا خیال رکھا جاسکتا ہے۔

البتہ عید الاضحیٰ کے دن کچھ کھائے پیے بغیر عید گاہ کو جانا مسنون ہے، جیسا کہ سنن ترمذی و ابن ماجہ و دارمی اور مسند احمد میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ، وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ »(٣٣)

''نبی کریم ﷺ عید الفطر کے لیے گھر سے کچھ کھا کر نکلا کرتے تھے اور عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے سے پہلے کچھ نہیں کھایا کرتے تھے۔''

اور مسند احمد میں ہے:

---

(٣٢) بخاری مع الفتح (۲/۴۶) الفتح الربانی (۶/۱۲۹)

(٣٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٥٤٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٧٥٤)

«فَيَأْكُلُ مِنْ أُضْحِيَتِهِ» (۳۴)

''آپ ﷺ قربانی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔''

بعض لوگ اسی ''سنت'' کو نصف دن کے روزے کا نام دیتے ہیں جو قطعاً غلط نظریہ ہے، کیونکہ روزہ صرف وہی ہوتا ہے جو غروب آفتاب تک ہو، روزہ تو بہرحال روزہ ہے کوئی بازیچۂ اطفال تو نہیں۔

شہر سے باہر نمازِ عید:

مسنون وافضل یہ ہے کہ نمازِ عید شہر سے باہر جا کر کھلے مقام پر ادا کی جائے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا عمل مبارک اسی پر تھا اور آپ ہمیشہ باہر جا کر نماز پڑھا کرتے تھے، البتہ بارش وغیرہ کا عذر ہو تو مسجد میں بھی نماز عید جائز ہے، اگرچہ اس جواز پر دلالت کرنے والی روایت بھی ضعیف ہے جو سنن ابو داود و ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں:

«اِنَّهُمْ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فِيْ مَسْجِدٍ» (۳۵)

''ایک عید کے روز بارش ہوگئی تو نبی ﷺ نے انھیں مسجد میں عید کی نماز پڑھائی۔''

حافظ ابن حجر نے ''التلخیص'' میں کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور علامہ ذہبی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ سید سابق نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ (۳۶)

(۳۴) مسند أحمد (۵/ ۳۵۲)

(۳۵) سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۱۶۰) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۱۳۱۳)

(۳۶) التلخيص الحبير (۲/ ۸۳) فقه السنة (۱/ ۲۱۸)

عورتوں کا عید گاہ جانا:

نمازِ عید میں شرکت کے لیے مردوں، عورتوں اور بچوں سب کا جانا مسنون ہے۔ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے عہدِ مسعود میں صحابیات عید گاہ جایا کرتی تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

" خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ فِطْرٍ اَوْ اَضْحٰى فَصَلّٰى، ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ أَتَى النِّسَآءَ فَوَعَظَهُنَّ، وَذَكَّرَهُنَّ، وَ اَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ "(۳۷)

''میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نکلا، آپ نے پہلے نماز پڑھی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا، پھر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انھیں وعظ و نصیحت کی اور صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابیات عید گاہ جایا کرتی تھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر جو تبویب کی ہے: "باب خروج الصبيان إلى المصلّى" (بچوں کا عید گاہ جانا) وہ دراصل اس حدیث کے ایک دوسرے طریق سے ماخوذ ہے جو ایک باب چھوڑ کر اگلے باب (۱۸) کے تحت وارد کی ہے، جس میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "لَوْ لَا مَكَانِيُ مِنَ الصِّغَرِ" فرما کر اپنے اس وقت بچہ ہونے کی وضاحت فرما دی ہے۔(۳۸) اس طریق میں بھی نبی کریم ﷺ کے خواتین کے پاس جانے، انھیں وعظ و نصیحت کرنے اور صدقے کا حکم دینے کا ذکر موجود ہے۔

ایسے ہی صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں بھی عورتوں کے عید گاہ میں ہونے اور نبی اکرم ﷺ کے نماز اور خطبہ کے بعد ان کے پاس جا کر انھیں وعظ

---

(۳۷) بخاری مع الفتح (۲/۴۶۴)

(۳۸) بخاری (۲/۴۶۵)

فرمانے کا ذکر آیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے اور صحابیات اس کپڑے میں صدقہ کی اشیاء ڈال رہی تھیں۔ (۳۹)

صحیح بخاری و مسلم اور دوسری کتبِ حدیث میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ عورتوں حتیٰ کہ حیض والی عورتوں کو بھی عید گاہ جانے کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا؛ چنانچہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"أُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ وَ الْعَوَاتِقَ وَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ"

''ہمیں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) حکم دیا گیا کہ ہم حیض والی عورتوں، نوجوان لڑکیوں اور بڑی عورتوں کو بھی عید گاہ لے جائیں۔''

حیض والی عورتوں پر چونکہ نماز نہیں ہے لہٰذا فرمایا:

«وَ يَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى، وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَ دَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ» (۴۰)

''حیض والی عورتیں جانماز سے الگ رہیں، البتہ خیر و برکت اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہو جائیں۔''

ان احادیث کی بنا پر ائمہ فقہاء نے عورتوں کا عید گاہ جانا مستحب قرار دیا ہے۔ (۴۱) البتہ عام احناف کا مسئلہ عدم خروج کا ہے لیکن محققین حنفیہ میں سے بھی بعض خروج کے قائل ہیں، مثلاً علامہ انور شاہ کاشمیری نے "العرف الشذي" (ص: ۲۴۴) میں لکھا ہے:

''ہمارا اصل مذہب تو یہی ہے کہ عورتیں عید گاہ جا سکتی ہیں۔'' (۴۲)

(۳۹) بخاری (۲/ ۴۵۱، ۴۶۶)

(۴۰) بخاری (۲/ ۴۶۳-۴۶۴، ۴۶۹-۴۷۰)

(۴۱) فتح الباری (۲/ ۴۷۰)

(۴۲) نیز اس موضوع کی تفصیل "نیل الأوطار" (۲/ ۳/ ۲۸۷، ۲۸۸) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

عورتوں کے لیے عید گاہ جانے کے آداب:

عورتوں کے عید گاہ جانے کے لیے بعض ضروری آداب بھی ہیں جن کی رعایت بھی از بس ضروری ہے،(۴۳) مثلاً یہ کہ زرق برق لباس نہ پہنا ہو اور نہ ہی خوشبو کا استعمال کیا ہو، کیونکہ ان امور سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے؛ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت زینب بنت عبداللہ، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا»(۴۴)

''جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں جائے تو وہ خوشبو ہرگز نہ لگا کر جائے۔''

مساجد میں جانے کی طرح ہی عید گاہ میں جانے کا معاملہ بھی ہے۔

پیدل اور سوار ہو کر عید گاہ جانا:

عید گاہ کی طرف جانے کے لیے بہتر تو یہ ہے کہ پیدل جائیں کیونکہ بعض احادیث سے یہی سنت معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ سنن ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَأْتِيَ الْعِيْدَ مَاشِيًا»(۴۵)

''سنت یہ ہے کہ تم عید کے لیے پیدل چل کر جاؤ۔''

نیز سنن ابن ماجہ میں حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْتِي الْعِيْدَ مَاشِيًا»(۴۶)

(۴۳) دیکھیں: فقه السنة (۱/ ۳۱۸)

(۴۴) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٤٣)

(۴۵) سنن الترمذي، رقم الحديث (٥٣٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٥٦)

(۴۶) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٩٤)

''نبی اکرم ﷺ عید کے لیے پیدل چل کر آیا کرتے تھے۔''

سنن ابن ماجہ میں ایک ایسی ہی روایت حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ان تینوں چاروں روایات کی اسانید ضعیف ہیں۔ (۴۷)

جبکہ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ترمذی کی روایت کے بارے میں ارواء الغلیل میں لکھا ہے کہ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے جبکہ اس کی سند تو سخت ضعیف ہے لیکن اس کے بعض دیگر ایسے شواہد ہیں جن کا مجموعی مفاد اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ضرور ہے۔ غالباً امام ترمذی نے بھی انھیں کی وجہ سے اس حدیث کو حسن کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ضرور ہے اور انھوں نے مذکورہ شواہد بھی اشارتاً ذکر کیے ہیں۔ (۴۸)

پیدل چل کر عید گاہ جانے کی اولیت پر دلالت کرنے والی ان روایات کی تائید امام زہری رحمہ اللہ کی ایک مرسل روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الام میں بلاغات کے انداز سے نقل فرمایا ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں:

'' مَا رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ عِيْدٍ وَلَا جَنَازَةٍ قَطُّ''(۴۹)

''نبی اکرم ﷺ عید اور جنازہ میں کبھی سوار ہو کر نہیں گئے۔''

امام زہری رحمہ اللہ کی غالباً اسی مرسل روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''إرواء الغلیل'' میں ''أحکام العیدین'' للفریابي (۲/ ۱۲۷) کے حوالے سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ سند صحیح

---

(۴۷) فتح الباري (۲/ ۴۵۱)

(۴۸) إرواء الغلیل (۳/ ۱۰۳)

(۴۹) فتح الباری (۲/ ۴۵۱)

ہے لیکن یہ مرسل ہے۔ حافظ ابن حجر نے "التلخیص" میں اس روایت کو ایک جگہ "لا أصل له" قرار دیا ہے (۱/۲/۸۳) لیکن دوسری جگہ کتاب الجمعہ میں کہا ہے کہ یہ سنن سعید بن منصور میں زہری سے مرسلاً مروی ہے۔ (۵۰)

نیز فریابی نے حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا ایک اثر بھی روایت کیا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں:

"سُنَّةُ الْفِطْرِ ثَلَاثٌ" "عید الفطر کی تین سنتیں ہیں۔"

"اَلْمَشْيُ إِلَى الْمُصَلّٰی" "عید گاہ پیدل چل کر جانا۔"

"وَ الْاَكْلُ قَبْلَ الْخُرُوْجِ" "اور نکلنے سے پہلے کچھ کھانا۔"

"وَالْاِغْتِسَالُ" "اور غسل کرنا۔" (۵۱)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس اثر کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۵۲) ان روایات و آثار سے پیدل چل کر عید گاہ جانے کی مشروعیت معلوم ہوگئی۔ (۵۳)

ہاں! اگر کوئی عذر ہو یا عید گاہ دور ہونے کی وجہ سے کوئی سواری لے لیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ ان ہر دو طریقوں سے عید گاہ جانے کے جواز کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کرتے ہوئے اپنی صحیح میں ایک باب ہی یوں قائم فرمایا ہے:

"بَابُ الْمَشْيِ وَالرُّكُوْبِ إِلَى الْعِيْدِ" (۵۴)

پھر اس باب کے تحت انھوں نے جو احادیث وارد کی ہیں، ان میں سے

(۵۰) التلخيص الحبير (۲/ ۷۰)

(۵۱) أحكام العيدين للفريابي (۱۷)

(۵۲) إرواء الغليل (۳/ ۱۰٤)

(۵۳) نیز دیکھیں: نيل الأوطار (۲/ ۳/ ۲۸٦ - ۲۸۷) الفتح الرباني (۲/ ۱۲۳)

(۵۴) صحيح البخاري (۱/ ٤٥١)

ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے لیے تشریف لے گئے اور انھیں وعظ ونصیحت فرمائی، اس وقت (تھکاوٹ کی وجہ سے) آپ کا حال یوں تھا:

"وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ"(55)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔"

بعض دیگر احادیث مروی ہیں جن میں سے کسی میں بھی عید گاہ کی طرف جانے کی کیفیت کی صراحت نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن تین نے امام بخاری رحمہ اللہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ان مذکورہ احادیث میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو پیدل یا سوار ہوکر عید گاہ جانے کی دلیل بنتی ہو۔ لیکن ایک دوسرے شارح زین ابن منیر نے اس کا یوں جواب دیا ہے کہ پیدل یا سوار ہوکر جانے میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہ ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ دونوں ہی جائز ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی کیفیت کو دوسری پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس تبویب سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ پیدل چل کر جانے کے مندوب ہونے پر دلالت کرنے والی روایات ضعیف ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت جابر رحمہ اللہ والی حدیث کے الفاظ "وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ" سے ضرورت مند کے لیے سواری کی مشروعیت استنباط کی ہو اور اس تبویب میں امام موصوف گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ اولیٰ تو یہ ہے کہ پیدل چل کر عید گاہ جائیں، یہاں تک کہ سوار ہوکر جانے کی ضرورت نہ پڑ جائے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ تو اپنے پاؤں پر کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا اور جب آپ کھڑے رہنے سے

(55) صحيح البخاري (١/ ٤٥١)

تھک گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ٹیک لگالی؛ اور سوار ہونے اور ٹیک لگانے کے مابین مناسبت کسی دوسری چیز کا ساتھ ہونا ہے جیسا کہ ابن المرابط نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۵۶)

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید گاہ کی طرف پیدل چل کر جانا اولی ہے، اگر چہ بوقتِ ضرورت سوار ہوکر جانا بھی جائز ہے۔

راستہ بدلنا:

عید گاہ کی طرف جانے اور آنے کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس راستے سے جائیں واپسی میں اسے چھوڑ کر دوسرے راستے سے آئیں؛ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ »(۵۷)

"جب عید کا دن ہوتا تو نبی ﷺ آنے جانے کا راستہ بدل لیا کرتے تھے۔"

راستہ بدلنے کی حکمت:

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ راستہ بدلنے کی بیس سے زیادہ حکمتیں ہیں، جن میں سے بعض تو ایسی ہی ہیں اور بعض میں کچھ جان ہے۔ پھر انھوں نے قاضی عبدالوہاب مالکی کا قول بھی ذکر کیا ہے کہ راستہ بدلنے کے جو فوائد و حکمتیں ہیں، ان میں سے بعض تو قریب قریب ٹھیک ہیں اور اکثریت بیکار دعووں کی ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض حکمتیں درج ذیل ہیں:

---

(۵۶) فتح الباری (۲/ ۴۵۱)

(۵۷) بخاری مع الفتح (۲/ ۴۷۲)

① آپ نے راستہ اس لیے بدلا تھا کہ دونوں راستے آپ کے لیے قیامت کے دن گواہی دیں۔

② تاکہ دونوں راستوں کے جن وانس گواہ بن جائیں۔

③ تاکہ آپ ﷺ اپنے گزرنے کی وجہ سے حاصل ہونے والی فضیلت دونوں راستوں کو عطا کریں یا دونوں راستوں کو برکت سے نوازیں یا کستوری کی خوشبو سے دونوں راستوں کو معطر کردیں کیونکہ یہ بات معروف تھی کہ آپ ﷺ جس راستے سے گزر جاتے تھے اسے معطر کر جاتے تھے۔

④ تاکہ دونوں راستوں میں اسلامی شعار یعنی شوکتِ اسلام کا اظہار ہو۔

⑤ تاکہ ذکرِ الٰہی کا (بکثرت) اظہار ہو۔

⑥ تاکہ یہود ومنافقین کو جلن میں مبتلا کیا جائے۔

⑦ تاکہ آپ ﷺ کے صحابہ کی کثرت کے مظاہرے سے یہود ومنافقین کو ڈرایا جائے۔ ابن بطال نے اسی حکمت کو سب پر ترجیح دی ہے۔

⑧ تاکہ عام لوگوں کو زیارت و دیدار سے تبرک و سرور کا موقع دیا جائے اور فتویٰ، تعلیم وتعلم ، طلبِ دعوت و ارشاد، مسائل صدقہ اور لوگوں کو سلام کرنے جیسے امور ومسائل کو عمومی انداز سے بیان کیا جائے۔

⑨ تاکہ زیادہ سے زیادہ قرابت داروں سے ملاقات ہو۔

⑩ تاکہ صلہ رحمی کا زیادہ موقع ملے۔

⑪ تاکہ سابقہ حالت سے بدل کر مغفرت و رضائے الٰہی کے حصول کی نیک فال لی جائے۔ وغیرہ

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''آپ ﷺ نے راستے کی تبدیلی میں ان تمام صحیح و متحمل اسباب اور فوائد و حکمتوں کی رعایت فرمائی ہے۔ (۵۸)

راستہ بدلنے کا جواز:

مذکورہ فوائد و برکات کے حصول کے لیے واپسی کا راستہ بدل لیا جائے تو یہی سنت و افضل ہے لیکن اگر کسی وجہ سے راستہ نہ بدلا جائے بلکہ جس راستے سے عید گاہ جائیں اسی راستے سے واپس بھی لوٹ آئیں تو بھی کوئی خاص حرج نہیں کیونکہ یہ راستہ بدلنا کوئی واجب تو نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔ (۵۹) اس کے علاوہ سنن ابی داود، مستدرک حاکم اور امام بخاری کی تاریخ میں ایک ضعیف حدیث بھی ہے جس میں بکر بن مبشر بیان کرتے ہیں:

"كُنْتُ اَغْدُوْ مَعَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الْمُصَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ وَ يَوْمَ الْاَضْحٰى فَنَسْلُكُ بَطْنَ بُطْحَانَ حَتّٰى نَاْتِيَ الْمُصَلّٰى، فَنُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ نَرْجِعُ مِنْ بَطْنِ بُطْحَانَ اِلٰى بُيُوْتِنَا" (۶۰)

''میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کے ساتھ عید گاہ جایا کرتا تھا۔ ہم وادی بطحان کے راستے عید گاہ جاتے اور وہاں نبی ﷺ کے ساتھ نماز عید پڑھنے کے بعد وادی بطحان ہی کے راستے اپنے گھروں کو واپس لوٹ آتے تھے۔''

(۵۸) تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباری (۲/ ۴۷۳) زاد المعاد (۲/ ۴۴۹ محقق) الفتح الربانی (۶/ ۱۴۱) نیل الاوطار (۲/ ۳/ ۲۹۱۔۲۹۲) غنیۃ الطالبین (۱/ ۲/ ۱۰۱۔۱۰۲) طبع نفیس اکیڈمی، کراچی۔

(۵۹) فتح الباری (۲/ ۴۷۲) نیل الاوطار (۲/ ۳/ ۲۹۱)

(۶۰) سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۱۵۸) المستدرك (۱/ ۴۳۶)

شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے "تمام المنة" (ص: ۳۴۶، ۳۴۷) میں اس کی سند کے صالح ہونے میں اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابن سکن کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند کے دو راوی اسحق اور بکر، اس حدیث کے سوا نہیں پہچانے جاتے اور حافظ نے اسحق کو مجہول الحال لکھا ہے۔ (۶۱)

تکبیریں کہنا:

عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیریں کہتے جانا سنت ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک عید الفطر کے دن گھر سے نکلنے سے لے کر خطبہ شروع ہونے تک اور عید الاضحیٰ کے موقع پر یوم عرفہ (۹ ذوالحجہ) کی صبح سے لے کر ایام تشریق (یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳/ ذوالحجہ) کے آخری دن کی نماز عصر تک تکبیریں کہنے کا وقت ہے۔ (۶۲)

سورہ بقرہ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

"تاکہ تم اللہ کی طرف سے آمدہ ہدایت کے مطابق اللہ کی بڑائی (تکبیریں) بیان کرو۔"

یہاں عید الفطر کی تکبیریں مراد ہیں جبکہ سورہ حج ﴿وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ [الحج: ۳۷] اور سورہ بقرہ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ [البقرة: ۲۰۳] میں ان دونوں مقامات پر عید الاضحیٰ کی تکبیریں مراد ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ کی تفسیر میں مروی ہے:

---

(۶۱) تمام المنة (ص: ۳٤٦)

(۶۲) دیکھیں: فتح الباری (۲/۴۶۲)

"هِيَ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ" (۶۳)

"وہ (گنے چنے دن) ایام تشریق ہیں۔"

یہ تکبیریں بلند آواز سے کہنی چاہییں کیونکہ سنن دار قطنی و بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت نافع رحمہ اللہ کا بیان ہے:

"اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا غَدَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَ يَوْمَ الْاَضْحٰى يَجْهَرُ بِالتَّكْبِيْرِ" (۶۴)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن جب نکلتے تو بلند آواز سے تکبیریں کہا کرتے تھے۔"

تکبیروں کے اوقات:

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ایام تشریق میں تکبیریں کہنے کا کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ تمام اوقات میں مستحب ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے "باب التكبير أيام منىٰ" کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منیٰ میں اپنے قبہ (خیمہ) میں تکبیریں کہا کرتے تھے اور اہل مسجد ان کی تکبیریں سن کر تکبیریں کہنے لگتے تھے حتیٰ کہ بازار والے لوگ بھی تکبیریں کہنے لگتے، یہاں تک کہ پورا منیٰ تکبیروں سے گونج اٹھتا تھا۔ (۶۵)

صحیح بخاری کے اسی ترجمۃ الباب میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایام منیٰ میں نمازوں کے بعد اور اپنے بستر پر لیٹے ہوئے اور اپنے خیمہ میں اور مجلس میں

(۶۳) بخاری مع الفتح (۲/ ۴۵۷) تفصیل کے لیے دیکھیں: الفتح الرباني في ترتيب مسند أحمد بن حنبل الشيباني (۶/ ۱۷۰-۱۷۲)

(۶۴) سنن الدارقطنی (۱۸۰) نیز دیکھیں: إرواء الغليل (۳/ ۱۲۲)

(۶۵) بخاری (۲/ ۴۶۱) و قال الحافظ: و صله سعيد بن منصور و أبو عبيد من وجه آخر و من طريقه البيهقي" (فتح الباري: ۲/ ۴۶۲)

اور راہ چلتے (تمام اوقات و مقامات میں) تکبیریں کہتے تھے۔ (۶۶)

وہیں یہ بھی مذکور ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا عید الاضحیٰ (یوم نحر) میں تکبیریں کہتی تھیں۔ (۶۷) اور لکھا ہے کہ ایام تشریق کی راتوں میں لوگ مسجد میں تکبیریں کہتے تھے اور عورتیں حضرت ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پیچھے تکبیریں کہتی تھیں۔ (۶۸)

صحیح بخاری کے اسی باب میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث بھی ہے جو مسلم میں بھی ہے، جس میں وہ بتاتی ہیں کہ ہمیں عید کے دن عید گاہ جانے کے لیے گھروں سے نکلنے اور نوجوان لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی نکالنے کا حکم ملتا تھا اور وہ لوگوں کے پیچھے ہوتی تھیں۔ اس میں ہے:

"فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ" (۶۹)

"عورتیں، مردوں کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہتیں۔"

اس حدیث اور سابقہ آثار سے معلوم ہوا کہ ان ایام میں تکبیریں صرف نمازوں کے بعد ہی نہیں بلکہ تمام اوقات میں کہی جاتی تھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اختیار بھی یہی ہے اور مذکورہ آثار بھی ان کے مؤید ہیں۔

تکبیر کے الفاظ:

تکبیر کے الفاظ معروف ہیں جو متعدد صیغوں سے وارد ہیں۔ ان میں

(۶۶) بخاری (۲/ ٤٦١) و قال الحافظ في الفتح (۲/ ٤٦٢): "و صله ابن المنذر، و الفاكهي في أخبار مكة"

(۶۷) بخاری (۲/ ۴۶۱)

(۶۸) بخاری (۲/ ۴۶۱) و قال الحافظ: "و صله ابن أبي الدنيا في كتاب العيدين" (فتح الباري ۲/ ٤٦٢)

(۶۹) بخاری (۲/ ۴۶۱)

سے سند کے اعتبار سے صحیح ترین صیغہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا "

"اللہ سب سے بڑا ہے ، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بہت ہی بڑا ہے۔"

جعفر فریابی نے کتاب العیدین میں انھیں الفاظ کی روایت حضرت سعید بن جبیر، امام مجاہد اور ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ سے بھی کی ہے، جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر اور ایسے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے تکبیر کے جو الفاظ ملتے ہیں، وہ یوں ہیں:

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ" (۷۰)

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے۔"

سنن دار قطنی اور تاریخ بغداد میں تکبیر کے یہ الفاظ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی مروی ہیں لیکن وہ مرفوع روایت سخت ضعیف ہے۔ (۷۱)

عید کا وقت:

نماز عید کا وقت سورج کے ایک نیزہ (۳ میٹر) بلند ہونے سے شروع

(۷۰) زاد المعاد (۱/ ٤٤٩) فتح الباری (۲/ ٤٦٢) شرح الفتح الربانی (٦/ ۱۷۲) و نیل الاوطار (۲/ ۳/ ۳۱٦) فقه السنة (۱/ ۳۲٦) تمام المنة (ص: ۳٥٦) إرواء الغلیل (۳/ ۱۲٥) و صححه.

(۷۱) دیکھیں: إرواء الغلیل (۳/ ۱۲٥)

ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حسن بن احمد البنا نے کتاب الاضاحی میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں:

”کَانَ النَّبِيُّ ﷺ یُصَلِّي بِنَا یَوْمَ الْفِطْرِ، وَ الشَّمْسُ عَلٰی قَیْدِ رُمْحَیْنِ، وَ الْاَضْحٰی عَلٰی قَیْدِ رُمْحٍ“ (۴۲)

”نبی اکرم ﷺ ہمیں اس وقت عید الفطر پڑھایا کرتے تھے جبکہ سورج دو نیزے تک بلند ہوجاتا اور عید الاضحیٰ اس وقت پڑھاتے جبکہ سورج ایک نیزہ بلند ہوا ہوتا۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ نماز عید کا وقت معین کرنے کے بارے میں سب سے بہترین حدیث یہی ہے۔ انھوں نے اس حدیث کو حافظ ابن حجر کی ”التلخیص“ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے اس کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا، اور البحر کے حوالے سے لکھا ہے کہ سورج کے روشن ہونے سے لے کر زوالِ آفتاب تک اس کا وقت ہے اور میں اس سلسلے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جانتا۔ (۴۳)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ والی حدیث بالا کی سند صحیح ہوتی تو معاملہ طے تھا لیکن حافظ ابن حجر نے التقریب میں اس کی سند کے ایک راوی المعلی بن ہلال کے بارے میں لکھا ہے کہ تمام نقادانِ حدیث اس راوی کی تکذیب پر متفق ہیں۔ (۴۴)

حافظ موصوف کے انھی الفاظ کو بنیاد بناتے ہوئے شیخ البانی نے الارواء (۴۵) اور

---

(۴۲) سنن البیهقي (۳/ ۳۳۹) التلخیص (۱/ ۲/ ۸۳) إرواء الغلیل (۳/ ۱۰۱)

(۴۳) نیل الأوطار (۲/۳/۲۹۳)

(۴۴) تقریب التهذیب (ص: ۵۰۲) طبع نشر السنہ، لاہور۔

(۴۵) إرواء الغلیل (۳/۱۰۱/۲۹۳)

تمام المنہ ⑯ میں اس حدیث پر کلام کیا ہے، البتہ ارواء الغلیل میں اس روایت کا اقرب ترین شاہد تعاملِ امت قرار دیا ہے۔

نمازِ عید کے وقت کے سلسلے میں ایک صحیح حدیث بخاری میں تعلیقاً بالجزم اور سنن ابو داود و ابن ماجہ و مستدرک حاکم و بیہقی میں موصولاً حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں یزید بن خمیر الرجبی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ پڑھنے کے لیے نکلے تو امام کی نماز کو لیٹ کرنے پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا:

"اِنَّا کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ وَذٰلِکَ حِیْنَ التَّسْبِیْحِ"⑰

"ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس وقت تک نمازِ عید سے فارغ ہو چکے ہوتے تھے۔ جب یہ بات کہی وہ تسبیح کا وقت تھا۔"

یہاں تسبیح کے وقت سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ نے عون المعبود میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ امام سیوطی کے بقول اس سے مراد صلوۃ الضحیٰ کا وقت ہے۔ امام قسطلانی نے اس کو نفلی نماز کا وقت قرار دیا ہے جو دورانِ طلوع کراہت کے گزرنے کے بعد آتا ہے۔ علامہ سندھی نے حاشیہ ابن ماجہ میں کہا ہے کہ طبرانی کی ایک صحیح روایت میں الفاظ یوں ہیں:

"وَذٰلِکَ حِیْنَ یُسَبِّحُ الضُّحٰی"⑱

"یہ اس وقت ہے جب صلوۃ الاضحیٰ پڑھی جاتی ہے۔"

---

⑯ تمام المنة (ص: ٣٤٧)

⑰ بخاری مع الفتح (٢/ ٤٥٦) ابو داود مع العون (٣/ ٤٨٦) والارواء (٣/ ١٠١) صحیح ابن ماجہ (١/ ٢٢٠) وتمام المنۃ (ص: ٣٤٨، ٤٨٦)

⑱ عون المعبود (٣/ ٤٨٦)

یہ حدیث نمازِ عید کو بہت زیادہ مؤخر کرنے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے
جبکہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ والی حدیث سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں کے وقت میں فرق کا بھی پتہ چلتا ہے کہ نمازِ عید الفطر کو کچھ مؤخر کیا جائے لیکن عید الاضحیٰ کو علی الصبح ادا کیا جائے۔ اس کی حکمت امام ابن قدامہ نے المغنی میں یہ ذکر فرمائی ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز کو جلدی ادا کرنا مسنون ہے تاکہ قربانی کا وقت وسیع ہو جائے اور عید الفطر کی نماز کو مؤخر کرنا مسنون ہے تاکہ صدقہ فطر (فطرانہ) ادا کرنے کا وقت زیادہ مل سکے۔ (۷۹)

عید گاہ میں نمازِ عید سے پہلے یا بعد میں نفل پڑھنا:

نمازِ عید کی دو رکعتوں سے پہلے یا بعد میں کوئی سنت یا نفل ثابت نہیں، لہٰذا عید گاہ میں پہنچتے ہی آرام سے بیٹھ جانا چاہیے اور تکبیریں کہنا چاہیے۔ صحیحین وسنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

« إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا » (۸۰)

”نبی ﷺ عید الفطر کے دن نکلے اور آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں اور نمازِ عید سے پہلے یا بعد میں کچھ نہیں پڑھا۔“

امام بخاری نے اپنی صحیح کے ایک ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نمازِ عید سے پہلے نماز پڑھنے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ (۸۱)

(۷۹) المغنی (۳/ ۲۶۷) بتحقیق ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی، وزیر اوقاف وامور اسلامیہ سعودی عرب۔

(۸۰) بخاری مع الفتح (۲/ ۴۷۶)

(۸۱) بخاری مع الفتح (۲/ ۴۷۶)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز عید کی دو رکعتوں سے پہلے یا ان کے بعد کوئی نماز نہیں جس کا نماز عید سے کوئی تعلق ہو۔

مطلق نوافل:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ نماز عید سے پہلے یا بعد میں کوئی سنتیں ثابت نہیں ہیں؛ رہی مطلق نفلی نماز، تو اس کے بارے میں کوئی خاص دلیل نہیں کہ اس سے منع کیا گیا ہو، ہاں اگر وہ وقتِ کراہت ہو تو ممنوع ہے خواہ یوم عید ہو یا عام دن ہوں۔ واللہ اعلم (۸۲)

عید کی نماز سے واپس گھر آ کر نفل پڑھنا:

یہ تو حکم ہے عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں سنتیں پڑھنے کا؛ لیکن عید کی نماز سے فارغ ہو کر گھر چلے آنے پر اگر کوئی اپنے گھر میں نفلی نماز پڑھ لے تو نہ صرف اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ثابت ہے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ اور صحیح ابن خزیمہ میں حسن سند کے ساتھ ایک حدیث ہے، جسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے جو مسند احمد اور سنن بیہقی میں بھی مروی ہے۔ اس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعِيْدِ شَيْئًا فَإِذَا رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ» (۸۳)

”نبی ﷺ نماز عید سے پہلے کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے اور جب عید گاہ سے لوٹ کر گھر آ جاتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔“

(۸۲) فتح الباری (۲/ ۴۷۶)

(۸۳) صحیح ابن ماجہ (۱/ ۲۱۷) صحیح ابن خزیمہ (۲/ ۳۶۲) إرواء الغلیل للعلامہ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ (۳/ ۱۰۰)

تو گویا نمازِ عید سے پہلے اور بعد میں کسی بھی نماز کی ممانعت پر دلالت کرنے والی احادیث اور اس حدیث میں جمع تطبیق یہ ہوئی کہ ممانعت سے مراد عید گاہ میں ممانعت ہے، گھر آ کر نفل پڑھنے میں کوئی ممانعت نہیں۔ (۸۴)

اذان واقامت:

نمازِ عید کے لیے نہ تو کوئی اذان ہے نہ اقامت، جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں:

« لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحٰى » (۸۵)

”عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لیے اذان نہیں کہی جاتی تھی۔“

نیز صحیح مسلم میں امام عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ عید الفطر کے لیے جب امام نکلے تو نہ عید سے پہلے کوئی اذان ہے نہ اقامت، نہ کوئی نداء وصدا اور نہ کوئی اور چیز اور نہ نماز میں سے کچھ نماز عید کے بعد ہے۔ (۸۶)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عید گاہ پہنچتے تو بغیر اذان واقامت کے نماز شروع کر دیتے تھے۔ نیز ”الصلوة جامعة“ بھی نہیں کہا جاتا تھا، لہٰذا سنت یہی ہے کہ ایسا کچھ بھی نہ کیا جائے۔ (۸۷)

نمازِ عید کی رکعات:

نمازِ عید کی کل دو ہی رکعتیں ہیں۔ یہ تو معروف ہے اور متفق علیہ بات

(۸۴) التلخيص الحبير (۱/۲/۸۳)

(۸۵) صحيح البخاري، رقم الحديث (۹۱۷) صحيح مسلم (۸۸٦)

(۸۶) صحيح مسلم، رقم الحديث (۸۸٦)

(۸۷) زاد المعاد (۱/۴۴۲)

ہے جیسا کہ صحیحین وسنن کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گزری ہے، جس میں مذکور ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا» (۸۸)

''نبی ﷺ عید الفطر کے دن نکلے اور آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں؛ نمازِ عید سے پہلے یا بعد میں آپ ﷺ نے کچھ نہیں پڑھا۔''

نمازِ عید کا طریقہ:

نمازِ عید کی ادائیگی کا طریقہ تو وہی ہے جو عام رکعتوں کا ہے سوائے اس کے کہ ہر رکعت میں کچھ تکبیریں عام نمازوں سے زیادہ ہیں جنھیں ''تکبیراتِ زوائد'' کہا جاتا ہے، یہ پہلی رکعت میں دعائے استفتاح کے بعد اور دوسری میں تکبیرِ قیام کے بعد کہی جاتی ہیں۔ (۸۹)

تکبیراتِ زوائد:

نمازِ عید کی ان تکبیراتِ زوائد کی تعداد اور مقام کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس سلسلے کے دس اقوال میں دو بڑے مسلک یہ ہیں: ایک چھ تکبیروں والا احناف کا مسلک اور دوسرا بارہ تکبیروں والا جمہور اہلِ علم کا مسلک۔

احناف کا مسلک:

صحابہ کرام میں سے حضرت ابن مسعود، ابو موسیٰ اشعری اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہم اور ائمہ میں سے امام سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

(۸۸) دیکھیں: نمبر (۸۰)

(۸۹) المجموع شرح المهذب (۵/ ۲۰، طبع مصر)

یہ ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ کے بعد اور قراءت سے پہلے تین تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تین تکبیریں ہیں۔

ان کا استدلال سنن ابو داود و بیہقی اور مسند احمد میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث ہے جس میں حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ ان دونوں سے پوچھتے ہیں: "كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ؟" نبی اکرم ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کیسے تکبیر کہا کرتے تھے؟ تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

« كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا تَكْبِيْرًا عَلَى الْجَنَازَةِ»

"آپ نماز جنازہ جتنی چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔"

پاس سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: « صَدَقَ »(۹۰) "انھوں نے سچ کہا ہے۔" اس حدیث میں تو ہر رکعت میں چار چار تکبیریں مذکور ہیں جبکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ شامل ہے اور دوسری میں تکبیرِ رکوع، جیسا کہ ہدایہ کے حوالے سے علامہ شمس الحق نے عون المعبود میں ذکر کیا ہے۔(۹۱)

علامہ شوکانی نے اس روایت کی سند پر امام بیہقی کا کلام نقل کیا ہے اور امام خطابی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے۔ اور امام بیہقی نے معرفۃ السنن میں اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان کی وجہ سے اسے ضعیف کہا ہے۔ نیز اسے یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے اور بکثرت محدثین نے اس روایت کو حضرت

---

(۹۰) ابو داود مع العون (۴/ ۹) الفتح الربانی (۶/ ۱۴۱، ۱۴۲۔۱۸۰)

(۹۱) عون المعبود (۴/ ۱۰)

ابو موسی رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے راوی ابو عائشہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے کہ وہ غیر معروف ہے اور ہم اس کا اصل نام تک نہیں جانتے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے امام مکحول رحمہ اللہ کی روایت سے بھی نقل کیا ہے جس میں حضرت ابو موسی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے قاصد کا واسطہ بھی ہے، پھر امام بیہقی نے اس قاصد کو مجہول قرار دیا ہے۔ امام شوکانی آخر میں لکھتے ہیں کہ اس قول (چھ تکبیروں) والوں نے کسی بھی ایسی روایت سے استدلال نہیں کیا جو قابلِ حجت ہو۔ (۹۲)

تحفۃ الاحوذی میں علامہ عبد الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور اس کے اسباب و علل بھی نقل کیے ہیں۔ انھوں نے مصنف عبدالرزاق والے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر، جسے آثار السنن میں شوق نیموی نے صحیح کہا ہے، کو بادلائل ضعیف ثابت کیا ہے جس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، اور یہ بھی لکھا ہے کہ میرے علم کے مطابق اس سلسلے میں کوئی ایک بھی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ رہے آثار صحابہ، تو وہ بھی مختلف ہیں۔ (۹۳)

جمہور کا مسلک:

تکبیراتِ زوائد کے سلسلے میں امام شوکانی نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں۔ پھر انھوں نے علامہ عراقی سے نقل کیا ہے کہ یہ (بارہ تکبیروں والا) قول ہی صحابہ و تابعین اور ائمہ میں سے اکثر کا قول ہے۔ حضرت عمر، علی، ابوہریرہ، ابوسعید، جابر، ابن عباس، ابن عمر، زید بن ثابت اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے اس کی روایات ملتی ہیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ،

(۹۲) نیل الاوطار (۲/ ۳/ ۲۹۹، ۳۰۰)

(۹۳) تفصیل کے لیے دیکھیں: تحفۃ الاحوذی (۳/ ۸۶، ۸۷ طبع مدینہ)

عمر بن عبدالعزیز اور زہری ومکحول کا بھی یہی قول ہے، نیز امام مالک، اوزاعی، شافعی، احمد ﷭ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (۹۴)

ان کا استدلال ایک تو ام المؤمنین حضرت عائشہ ﷞ سے مروی اس حدیث سے ہے جسے امام ابو داود، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے، جس میں وہ بیان کرتی ہیں:

« إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى، فِي الْاُوْلٰى: سَبْعَ تَكْبِيْرَاتٍ، وَ فِي الثَّانِيَةِ : خَمْسًا» (۹۵)

''نبی اکرم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔''

جبکہ سنن ابو داود و ابن ماجہ، شرح معانی الآثار طحاوی، سنن دار قطنی و بیہقی اور مسند احمد میں یہ الفاظ بھی ہیں:

« سِوٰى تَكْبِيْرَتَيِ الرُّكُوْعِ» (۹۶)

''رکوع کی دونوں تکبیروں کے علاوہ۔''

سنن دار قطنی کی روایت میں ہے:

« سِوٰى تَكْبِيْرَةِ الْإِفْتِتَاحِ» (۹۷) ''تکبیر تحریمہ کے علاوہ۔''

ان کی دوسری دلیل سنن ابو داود، ابن ماجہ، طحاوی، دار قطنی، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد اور کتاب العیدین فریابی (واللفظ لہ) میں مروی عمرو بن شعیب والی حدیث ہے، جس میں مذکور ہے:

(۹۴) نيل الأوطار (۲/۳/ ۲۹۹) المجموع للنووي (۵/ ۲۰) فقہ السنۃ (۱/ ۳۲۰)

(۹۵) أبو داود مع العون (٤/ ٦) الإرواء (٣/ ١٠٦ - ١٠٧) و صححه

(۹۶) سنن أبي داود، رقم الحديث (١١٥٠)

(۹۷) دیکھیں: نیل الأوطار (۲/۳/ ۲۹۹)

« كَبَّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ صَلَاةِ الْعِيْدِ، سَبْعًا فِي الْأُوْلٰى، ثُمَّ قَرَأَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ قَامَ فَكَبَّرَ خَمْسًا، ثُمَّ قَرَأَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ » (۹۸)

''نبی اکرم ﷺ نے نماز عید کی پہلی رکعت میں ساتھ تکبیریں کہیں، پھر قراءت کی، پھر رکوع گئے اور پھر سجدے کیے، پھر اٹھے اور (دوسری رکعت میں) پانچ تکبیریں کہیں، پھر قراءت، کی پھر تکبیر کہی اور رکوع گئے، پھر سجدے کیے۔''

اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں جن میں سے حضرت عمرو بن عوف مزنی، عمار بن سعد اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرویات شیخ البانی نے ارواء الغلیل میں نقل کی ہیں اور لکھا ہے کہ میرے نزدیک اس موضوع کی بہترین احادیث حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں۔ ان کی اسانید میں جو معمولی ضعف ہے وہ ایک دوسرے سے مل کر ختم ہوجاتا ہے اور وہ قوت اختیار کرجاتی ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''ان طرق کی وجہ سے یہ (بارہ تکبیروں والی) حدیث صحیح ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔''

پھر انھوں نے صحیح اسناد والے آثار صحابہ میں سے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے آثار بھی نقل کیے ہیں۔ (۹۹)

(۹۸) ابو داود (۲/ ۸_۹) الفتح الربانی (۶/ ۱۴۰_۱۴۱) منتقى الأخبار (۲/ ۳/ ۲۹۷) إرواء الغليل (۳/ ۱۰۸، ۱۰۹) وصححه بشاهده.

(۹۹) إرواء الغليل (۳/ ۱۱۰)

یہ تمام احادیث و آثار بارہ تکبیروں والے جمہور کے مسلک کی تائید کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن عبدالبر نے مذکورہ اور مشار الیہ مرفوع احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ طرق حسان سے مروی ان احادیث میں عید کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہی نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں اور اس کے سوا کسی قوی وضعیف مرفوع حدیث میں کچھ بھی مروی نہیں ہے اور یہی عمل کے لیے اولیٰ ہے۔ (۱۰۰)

امام شوکانی نے بھی اسی مسلک کو راجح تر مسلک قرار دیا ہے۔ (۱۰۱) علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دو وجوہات کی بنا پر یہ مسلک عمل کے اعتبار سے اولیٰ ہے:

(۱) اس لیے کہ اس کی تائید میں متعدد مرفوع احادیث ہیں جن میں سے بعض قابل حجت ہیں اور دوسری ان کی مؤید ہیں جبکہ اہل کوفہ (احناف) کے مسلک کے بارے میں صرف حضرت ابوموسیٰ والی ایک حدیث ملتی ہے جس کی استنادی حیثیت آپ دیکھ چکے ہیں (کہ ضعیف اور ناقابل حجت ہے) امام بخاری و ترمذی نے بارہ تکبیروں والی حدیث کو اس موضوع کی سب سے صحیح حدیث قرار دیا ہے۔ (۱۰۲)

(۲) اس لیے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بارہ تکبیروں والی احادیث پر ہی عمل پیرا تھے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ دو مختلف حدیثوں میں، جس میں سے ایک پر خلفاءِ راشدین کا عمل رہا ہو، وہ حدیث صحت و صواب اور

---

(۱۰۰) نیل الأوطار (۲/۳/۲۹۹)

(۱۰۱) ایضاً

(۱۰۲) التلخیص (۱/۲/۸۴)

تاکد میں اولی ہوتی ہے۔(۱۰۳) حتی کہ خود بعض کبار علماء احناف میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی بارہ تکبیروں والے مسلک کی ہی تائید کی ہے۔ نیز شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔(۱۰۴)

تکبیراتِ زوائد کی شرعی حیثیت:

ان تکبیراتِ زوائد کے سلسلے میں شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز حفظہ اللہ (سیالکوٹ) کا ایک مقالہ مجلّہ جامعہ ابراہیمیہ میں شائع ہوا ہے جس کی آخری قسط مجلّہ کے سلسلہ (۱۳) بابت ذوالحجہ ومحرم بمطابق ستمبر ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ موصوف کا یہ مقالہ اپنے موضوع پر کافی مفصل اور مفید ہے۔ جزاہ اللہ خیرا.

یہ تکبیریں سنت ہیں، ان کے عمداً یا سہواً چھوٹ جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ امام ابن قدامہ نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں مجھے کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔(۱۰۵) امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اگر کوئی بھول کر یہ تکبیریں چھوڑ دے تو اسے سجدۂ سہو کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔(۱۰۶)

تکبیرات زوائد کے درمیان:

امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کا قول ہے کہ ان تکبیرات کے درمیان کوئی ذکر

(۱۰۳) تحفۃ الاحوذی (۲/ ۸۷، ۸۸)

(۱۰۴) غنیۃ الطالبین (ص: ۲۹۹، طبع اردو مترجم راغب احسن، نفیس اکیڈمی، کراچی)
حجۃ اللہ البالغۃ (۲/ ۳۱) التعلیق الممجد علی موطأ الإمام محمد (ص: ۱۴۱)

(۱۰۵) المغنی (۳/ ۲۷۵) فقہ السنۃ (۱/ ۳۲۰)

(۱۰۶) نیل الاوطار (۲/ ۳/ ۳۰۰)

و دعا نہیں ہے جبکہ امام احمد و شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ ہر دو تکبیروں کے مابین "سبحان اللّٰہ، والحمد للّٰہ (ولا إله إلا اللّٰه) واللّٰه أکبر" کہا جائے۔ ⁽¹⁰⁷⁾

قائلینِ ذکر کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے ہے جس کی سند حسن ہے؛ بلکہ امام سخاوی نے "القول البدیع" میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ وہ اثر معجم طبرانی کبیر میں مرسلاً اور موصولاً اور صلاۃ العیدین محاملی اور بیہقی میں بھی مروی ہے کہ انھوں نے ہر دو تکبیروں کے مابین حمد و ثناء اور صلاۃ و دعا کرنے کا کہا ہے۔ طبرانی والے مرسل اثر میں تکبیروں کی تعداد کم ذکر کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے موقوف اثر میں وارد ہر دو تکبیروں کے مابین والے ذکر کو تو اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ اس سلسلے میں ان کا کوئی مخالف نہیں لیکن تکبیروں کی تعداد کے سلسلے میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، عملِ اہل حرمین اور آج تک کے مسلمانوں کے عمل کی وجہ سے ہم ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ ⁽¹⁰⁸⁾

رفع الیدین:

تکبیراتِ زوائد کے ساتھ رفع الیدین کرنے کے سلسلے میں متعدد احادیث مروی ہیں، جن میں سے ایک مسند احمد و طیالسی اور سنن دارمی میں مختلف الفاظ سے مروی ہے، جس میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَرْفَعُ یَدَیْهِ مَعَ التَّکْبِیْرِ» ⁽¹⁰⁹⁾

⁽¹⁰⁷⁾ حاشیہ فقہ السنۃ (۱/ ۳۲۰)

⁽¹⁰⁸⁾ إرواء الغلیل (۳/ ۱۱۴-۱۱۵) نیز دیکھیں: التلخیص (۱/ ۲/ ۸۶) تمام المنة (ص: ۳۴۹، ۳۵۰)

⁽¹⁰⁹⁾ مسند أحمد (٤/ ٣١٦) سنن أبي داود، رقم الحدیث (٧٢٥)

”میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔“

جبکہ ایک دوسری حدیث مسند احمد اور سنن کبری بیہقی میں سالم بن عمر اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہیں، جس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

« ... وَ يَرْفَعُهَا فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَ تَكْبِيْرَةٍ، كَبَّرَهَا قَبْلَ الرَّكُوْعِ حَتّٰى تَنْقَضِي صَلَاتُهُ »(۱۱۰)

”آپ رفع یدین کررہے تھے ہر رکعت اور ہر تکبیر کے ساتھ جو رکوع سے پہلے تھی حتی کہ نماز مکمل ہوئی۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”التلخیص“ میں لکھا ہے کہ امام ابن المنذر اور بیہقی نے اس حدیث سے ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے پر استدلال کیا ہے۔(۱۱۱) نیز سنن کبری بیہقی کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل بھی نماز جنازہ وعیدین کی تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرنے کا روایت کیا گیا ہے لیکن اس اثر کو سند میں ابن لہیعہ راوی اور ایک جگہ انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔(۱۱۲)

اس سے پہلی حسن اور صحیح درجے کی احادیث کے بارے میں شیخ البانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے الفاظ میں ایسی کوئی صراحت نہیں کہ وہ رفع یدین عید کی تکبیراتِ زوائد کے ساتھ تھا بلکہ سیاقِ حدیث تو فرض نماز کے بارے میں

---

(۱۱۰) مسند أحمد (۲/ ۱۳۳) سنن أبي داود، رقم الحديث (۷۲۲)

(۱۱۱) التلخيص الحبير (۱/ ۲/ ۸٦)

(۱۱۲) حوالہ سابقہ۔

ہے، لہٰذا ان احادیث سے رفع الیدین پر استدلال کرنا بعید از قیاس ہے۔[113]

انھوں نے اپنی دوسری کتاب "تمام المنة" میں لکھا ہے کہ چونکہ اس سلسلے میں کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے لہٰذا عیدین و جنازہ کی نمازوں میں تکبیرات کے ساتھ عدم رفع الیدین یا رفع الیدین کی عدم سنیت و عدم مشروعیت کا قول ہی صحیح و حق ہے۔[114] البتہ انھوں نے الارواء میں کتاب العیدین فریابی سے ایک صحیح سند والا اثر نقل کیا ہے جس میں ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے تکبیراتِ زوائد کے ساتھ رفع یدین کرنے کے بارے میں امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

«نَعَمْ، اِرْفَعْ يَدَيْكَ مَعَ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ وَ لَمْ اَسْمَعْ فِيْهِ شَيْئًا»[115]

"ہاں! ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کر لو اور میں نے اس سلسلے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔"

جہری قراءت اور سورتیں:

نمازِ عید چونکہ دن کی نماز ہے، اس لیے گمان ہو سکتا ہے کہ شائد ظہر و عصر کی طرح اس کی قراءت بھی سری ہوگی لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ عید کی نماز میں قراءت جہری ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عید کی دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورہ غاشیہ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ مسند احمد، سنن بیہقی، معجم طبرانی کبیر اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

[113] إرواء الغليل (١/ ١١٣، ١١٤)

[114] تمام المنة (ص: ٣٤٨، ٣٤٩)

[115] إرواء الغليل (١/ ١١٣)

« كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى وَ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ»(۱۱۶)

''نبی ﷺ عید کی نمازوں میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔''

جبکہ ایک دوسری حدیث جو صحیح مسلم، سنن اربعہ، بیہقی، دارقطنی، موطا امام مالک اور مسند احمد میں مروی ہے، اس میں حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« سَأَلَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ عَمَّا قَرَأَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ يَوْمِ الْعِيْدِ ؟ (وَ فِي رِوَايَةٍ : الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ) فَقُلْتُ: بِاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، وَ قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ»(۱۱۷)

''مجھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ نبی ﷺ نے عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کیا پڑھا؟ تو میں نے کہا: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ اور ﴿قٓ، وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ﴾۔''

اس حدیث میں سورۂ ''قمر'' اور سورۂ ''ق'' کا ذکر آیا ہے جبکہ پہلی حدیث میں دوسری سورتوں کا ذکر وارد ہوا ہے۔ دونوں حدیثیں ہی صحیح ہیں، لہٰذا ہر دو پر عمل صحیح ہے، چاہے جس پر ہو؛ اور یہ بھی سنت ہے واجب نہیں۔

انھیں احادیث سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ عیدین کی نماز میں قراءت جہری ہے سری نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی جہری قراءت کا نتیجہ ہی تھا کہ صحابہ کرام کو معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ نے نمازِ عید میں کن کن سورتوں کی قراءت کی تھی۔

---

(۱۱۶) مسند أحمد (۵/ ۷) صحیح ابن حبان (۷/ ۴۸)

(۱۱۷) صحیح مسلم مع شرح النووي (۳/ ۶/ ۱۸۱/ ۱۸۲) سنن دار قطني (۱/ ۴۵) المنتقى (۲/ ۳/ ۲۹۶) الإرواء (۳/ ۱۱۸)

جہری قراءت کے بارے میں بعض صریح احادیث بھی مروی ہیں لیکن وہ سب ضعیف ہیں، مثلاً سنن دارقطنی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْاِسْتِسْقَاءِ» (۱۱۸)

''نبی ﷺ عیدین اور نماز استسقاء میں جہری قراءت کیا کرتے تھے۔''

اس روایت کی سند کو شیخ البانی نے ''وَاهٍ جِدًّا'' کہا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی عبداللہ ضعیف ہے اور دوسرا محمد بن عمر واقدی متروک اور متہم بالکذب ہے۔ (۱۱۹)

اسی موضوع کی ایک حدیث معجم طبرانی اوسط اور سنن بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

«اَلْجَهْرُ فِي صَلٰوةِ الْعِيدَيْنِ مِنَ السُّنَّةِ» (۱۲۰)

''عیدین کی نماز میں جہری قراءت سنت ہے۔''

جس حدیث میں کوئی صحابی ''مِنَ السُّنَّةِ'' جیسے الفاظ کہے، اس حدیث کا حکم مرفوع کا ہوتا ہے لیکن اس روایت کی سند بھی ایک راوی حارث الاعور کے متروک ہونے کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ (۱۲۱)

ایک تیسری حدیث سنن بیہقی (۳/ ۳۴۸) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے مگر اس کی سند بھی سخت کمزور ہے، بلکہ صاحب الارواء نے لکھا ہے کہ ان تینوں کی اسانید اتنی سخت ضعیف ہیں کہ ایک دوسرے سے مل کر بھی ان کا ضعف کم نہیں ہوتا، البتہ صحابہ کرام کی وہ احادیث ان سے کفایت کرتی ہیں جن

---

(۱۱۸) سنن دار قطني (۱/ ۲/ ٦٧)

(۱۱۹) الإرواء (۳/ ۱۱٥)

(۱۲۰) سنن البيهقي (۳/ ۲۹٥) نیز دیکھیں: إرواء الغليل (۳/ ۱۱٦)

(۱۲۱) إرواء الغليل (۳/ ۱۱٦)

میں نبی ﷺ کا عیدین میں سورۂ اعلیٰ و غاشیہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ جہری قراءت کرتے تھے، اس لیے صحابہ کو ان کے پڑھنے کا پتہ چلا تھا۔ (۱۲۲)

حکمت:

عیدین میں ان مخصوص سورتوں کی قراءت میں کیا حکمت پنہاں ہے؟ اس سلسلے میں امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں اور امام شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ سورۃ الاعلیٰ پڑھنے میں لوگوں کو نماز اور فطرانے (زکوۃ الفطر) کی ادائیگی کی ترغیب دلانا مقصود تھا کیونکہ حضرت سعید بن میّب اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ نے ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ کی تفسیر میں یہاں زکوۃ الفطر اور نماز ہی مراد لی ہے، اور سورۃ الغاشیہ چونکہ سورۂ اعلیٰ کے ساتھ ہی آگے آتی ہے لہٰذا اس موالات کی وجہ سے دوسری رکعت میں اس کی قراءت فرمائی جبکہ سورۂ ق اور قمر کی تلاوت میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ان سورتوں میں بعث بعد الموت (حشر ونشر) قرون سابقہ کی خبریں، جھوٹوں اور جھٹلانے والوں کی ہلاکت کا ذکر ہے، اور عید کے دن لوگوں کے باہر نکلنے کی قیامت کے دن قبروں سے نکلنے سے مشابہت پائی جاتی ہے اس لیے بھی ان کی قراءت کی گئی۔ (۱۲۳)

نماز عید کے بعد خطبہ:

خطبۂ عید کے سلسلے میں سنتِ رسول ﷺ یہ ہے کہ پہلے نماز عید کی دو

(۱۲۲) دیکھیں: إرواء الغلیل (۳/ ۱۱٦)

(۱۲۳) المنهاج شرح صحیح مسلم بن حجاج المعروف شرح نووی (۳/ ٦/ ۱۸۳)

رکعتیں ادا کی جائیں اور پھر بعد میں امام خطبہ دے، جیسا کہ صحیحین وسنن اربعہ (سوائے ابو داود) سنن بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند احمد (دون قولهٗ: وعثمان) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ»(۱۲۴)

اس موضوع کی ایک حدیث صحیح مسلم، سنن نسائی و دارمی و بیہقی اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور صحیحین وسنن اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اور صحیحین وسنن نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔(۱۲۵)

ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کے بیٹھے رہنے کی توقع ہو یا چلے جانے کا خدشہ ہو، بہر حال سنت یہی ہے کہ خطبہ نماز کے بعد ہو۔ عہد بنی امیہ میں اس خدشے کے پیش نظر کہ لوگ چلے جائیں گے، خطبہ نماز سے قبل دیا گیا لیکن اس وقت بھی ان کے اس فعل پر نکیر کی گئی تھی۔(۱۲۶)

افتتاح خطبہ:

آج کل بعض علماء نمازِ عید اور خصوصاً عید الاضحیٰ کے خطبہ کا آغاز و افتتاح حمد وثنا کی بجائے تکبیرات سے کرتے ہیں حالانکہ خطبہ عید کا افتتاح بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں

(۱۲۴) صحیح البخاري، رقم الحدیث (۹۲۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۸۸)

(۱۲۵) حوالہ سابقہ۔

(۱۲۶) تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباری (۲/ ۴۵۴) وغیرہ ونیل الاوطار (۲/ ۳/ ۲۹۴ ۲۹۵) زاد المعاد (۱/ ۴۴)

کہ نبی ﷺ اپنے تمام خطبوں کا افتتاح اللہ تعالیٰ کی حمد سے کیا کرتے تھے اور کسی ایک حدیث میں بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے عیدین کے خطبوں کا افتتاح تکبیر سے کیا ہو۔ جو روایت سنن ابن ماجہ میں مؤذنِ رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبہ کے دوران اور عیدین کے خطبوں کے دوران بکثرت تکبیر کہتے تھے۔ اس روایت سے یہ دلیل نہیں ملتی کہ آپ ﷺ خطبہ کا افتتاح بھی تکبیرات سے فرماتے ہوں۔ (۱۲۷)

علامہ موصوف نے ابن ماجہ کی جس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ سنن ابن ماجہ کے علاوہ سنن بیہقی ومستدرک حاکم میں بھی مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ (۱۲۸)

لہٰذا افتتاح تو کیا دورانِ خطبہ تکبیر کہنے کا سنت ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ (۱۲۹)

امام تقی الدین ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ خطبۂ عیدین و استسقاء کے افتتاح کے سلسلے میں بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ان سب کا افتتاح تکبیرات سے کیا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ استسقاء کا خطبہ استغفار سے کیا جائے اور بعض دیگر کا قول ہے کہ حمدِ باری تعالیٰ سے کیا جائے۔ پھر امام ابن قدامہ نے اپنی طرف سے فیصلہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حمد سے آغاز کرنا ہی صحیح وصواب ہے کیونکہ یہی سنت رسول ﷺ ہے، آپ ﷺ اپنے تمام خطبوں کا آغاز حمد ہی سے کیا کرتے تھے۔ تکبیر و استغفار سے افتتاح کا کہنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ (۱۳۰)

---

(۱۲۷) زاد المعاد (۱/ ۴۴۷)

(۱۲۸) دیکھیں: إرواء الغليل (۳/ ۱۱۹، ۱۲۰)

(۱۲۹) تمام المنة (ص: ۳۵۱)

(۱۳۰) فقه السنة (۱/ ۳۲۲)

ایک ہی خطبہ:

عیدین کا خطبہ ایک ہی مسنون ہے، جمعہ کی طرح نہیں کہ درمیان میں بیٹھ کر پھر اٹھا جائے اور خطبہ دیا جائے۔ دو خطبے جمعہ کے لیے ثابت ہیں، عید کے لیے نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عید کے خطبے کو دہرانے کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ اسے نقل کرنے سے پہلے سید سابق نے لکھا ہے کہ خطبہ عید کے درمیان میں بیٹھ کر امام کا خطبے کو دو حصوں میں تقسیم کرنا، جس کسی حدیث میں وارد ہوا ہے وہ ضعیف ہے۔ (۱۳۱) لیکن عید کے لیے ''اذان و اقامت'' کے سلسلے میں مسند براز سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اذان و اقامت کے نماز عید پڑھی۔ پھر آگے یہ بھی ہے:

«وَكَانَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ قَائِمًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجَلْسَةٍ» (۱۳۲)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے اور ان دونوں کے مابین بیٹھ کر فاصلہ کیا کرتے تھے۔''

اس روایت کو نقل کر کے چھوڑ دیا گیا ہے، جس سے وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ روایت صحیح ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ خود امام بزار نے اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کی سند پر کلام کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (۱۳۳)

عید گاہ میں منبر:

صحیح بخاری اور دیگر کتب میں وارد احادیث کی رو سے عید گاہ میں منبر

(۱۳۱) فقہ السنہ (۱/۳۲۲)

(۱۳۲) مسند البزار (۳/۳۲۱)

(۱۳۳) تفصیل کے لیے دیکھیں: الارواء (۳/۳۴۸)

لے جانا جائز نہیں بلکہ سنت رسول ﷺ یہ ہے کہ منبر کے بغیر ہی عید گاہ جایا جائے اور امام ویسے ہی کھڑے ہو کر خطبہ دے جیسا کہ صحیحین کی متفق علیہ حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لیے عید گاہ کی طرف نکلتے اور سب سے پہلے نماز پڑھتے، پھر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے خطبہ سنتے۔ آگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ لوگ اسی حالت پر قائم رہے حتیٰ کہ میں مروان کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے لیے نکلا جبکہ وہ مدینہ طیبہ کا گورنر تھا۔ آگے مذکور ہے:

" فَلَمَّا اَتَيْنَا الْمُصَلّٰى اِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ "

"جب ہم عید گاہ پہنچے تو کیا دیکھا کہ کثیر بن صلت نے وہاں منبر بنا دیا ہے۔"

آگے وہ بیان کرتے ہیں کہ مروان نے نماز سے پہلے ہی منبر پر چڑھنے کا ارادہ کیا تو میں نے ان کا کپڑا کھینچا مگر وہ منبر پر چڑھ گئے اور نماز سے پہلے ہی خطبہ دے دیا۔ میں نے اس سے کہا:

"غَيَّرْتُمْ وَاللّٰهِ!" "اللہ کی قسم! تم نے سنت کو بدل دیا ہے۔"

تو اس نے کہا: "اے ابوسعید! جس (سنت) کو تم جانتے ہو اس کا وقت گزر گیا ہے۔" میں نے کہا: "اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں وہ اللہ کی قسم اس سے اچھا ہے جو میں نہیں جانتا، تو مروان نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد خطبہ سننے کے لیے ہمارے سامنے نہیں بیٹھا کرتے لہٰذا ہم نے خطبے کو نماز سے پہلے کر دیا ہے۔ (۱۳۴)

(۱۳۴) بخاری مع الفتح (۳/ ۴۴۹) المنتقی (۲/۳/۳۰۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ بغیر منبر کے خطبہ دیا کرتے تھے اور منبر پر خطبہ دینے کا آغاز مروان نے کیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ مدوّنہ مالک میں ہے اور عمر بن شبہ نے ابو غسان کنانی (صاحب مالک) سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: سب سے پہلے جس نے لوگوں سے منبر پر بیٹھ کر خطاب کیا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں؛ انھوں نے کثیر بن صلت کے مٹی کے بنائے ہوئے منبر پر خطبہ دیا۔ حافظ موصوف نے اس روایت کو معضل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیحین میں جو مذکور ہے وہی زیادہ صحیح ہے کہ منبر پر خطبے کا آغاز مروان ہی نے کیا تھا، البتہ احتمال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایسا کیا ہو اور پھر اسے ترک کر دیا ہو مگر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکی ہوگی۔ (١٣٥)

ایسے ہی سنن ابو داود و ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« أَخْرَجَ مَرْوَانُ الْمِنْبَرَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ» (١٣٦)

''مروان نے عید کے دن (خطبہ کے لیے) منبر نکالا۔''

اس حدیث سے بھی منبر پر خطبہ دینے کا آغاز مروان ہی سے معلوم ہوتا ہے، البتہ پہلی حدیث میں مٹی کا منبر بنانے کا ذکر ہے اور اس میں (لکڑی کا) منبر ساتھ لے جانے کا تذکرہ ہے۔ اس اشکال کو حافظ ابن حجر نے یوں حل کیا ہے کہ ممکن ہے پہلے مروان نے منبر ساتھ لے جانا شروع کیا ہو اور جب لوگوں نے فکر کی تو عیدگاہ میں ہی مٹی کا بنوالیا ہو۔ (١٣٧)

---

(١٣٥) فتح الباری (٢/ ٤٤٩)

(١٣٦) سنن أبي داود، رقم الحديث (١١٤٠) مسند أحمد (٣/ ١٠)

(١٣٧) فتح الباری (٢/ ٤٥٠)

خطبہ سننا:

عید کا خطبہ سننا بھی سنت ہے، جیسا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ والی صحیحین کی حدیث کے الفاظ ہیں:

«وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِهِمْ ...»(۱۳۸)

''اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے تھے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عید کا خطبہ سننا سنت ہے۔ اس حدیث کے آگے یہ بھی مذکور ہے:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں انھیں وعظ ونصیحت اور پند ونصائح فرماتے تھے۔''

البتہ ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی کسی وجہ سے خطبہ سنے بغیر ہی عید گاہ سے چلا آئے تو اس کی گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ سنن ابو داود، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، مستدرک حاکم، صحیح ابن خزیمہ اور منتقی ابن جارود میں حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

«شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: إِنَّا نَخْطُبُ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ، وَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ»(۱۳۹)

''میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نماز عید کے لیے حاضر ہوا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ہم خطبہ دینے لگے ہیں جو بیٹھ کر خطبہ سننا چاہتا ہے وہ بیٹھا رہے اور جو جانا چاہے وہ چلا جائے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص کا علم نہیں جو عید کی نماز

(۱۳۸) دیکھیں: نمبر (۱۳۴)

(۱۳۹) سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۱۵۵) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۱۲۹۰)

کو تو واجب قرار دیتا ہو اور خطبہ کو بھی واجب کہے بلکہ اس حدیث کی رو سے خطبہ دینا اور خصوصاً خطبہ سننا سنت ہے۔ امام ابو البرکات ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی "المنتقی" میں یہی قول ہے کہ خطبہ سنت ہے۔(۱۴۰)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ سننے یا چلے جانے میں رخصت اور اختیار دیا تھا۔(۱۴۱)

اگر نماز عید کی جماعت نہ ملے؟

اگر کسی کے عید گاہ پہنچنے پر جماعت ہو چکی ہو تو اسے اکیلے یا دوسرے رہ جانے والے لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز عید ادا کرنی چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کیا ہے: "بَابٌ إِذَا فَاتَهُ الْعِيْدُ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ" کہ اگر کسی کی نماز عید فوت ہوجائے تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے۔ یہ حکم مردوں ہی کی طرح عورتوں کے لیے اور ایسے ہی گھروں اور دیہات میں رہنے والوں کے لیے بھی ہے۔(۱۴۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس ترجمہ (تبویب) میں دو حکم ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کسی کی نماز عید اضطرار یا اختیار کسی بھی وجہ سے رہ جائے تو اسے پڑھ لینا مشروع ہے، اور دوسرا حکم یہ ہے کہ وہ دو رکعتیں اسی طرح ہی پڑھی جائیں گی جیسے کہ دراصل وہ ہیں؛ یعنی دو رکعتیں۔ البتہ سنن سعید بن منصور میں صحیح سند سے، اسی طرح معجم طبرانی کبیر اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«مَنْ فَاتَهُ الْعِيْدُ مَعَ الْإِمَامِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا»(۱۴۳)

---

(۱۴۰) منتقی الأخبار مع النیل (۲/۳/۳۰۶)

(۱۴۱) زاد المعاد (۱/ ۴۴۸)

(۱۴۲) صحیح بخاری (۲/۴۷۴)

(۱۴۳) المعجم الكبير (٩/ ٣٠٦) مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٤)

''جس کی نماز عید کی جماعت رہ جائے وہ پھر چار رکعتیں پڑھے۔''

امام اسحٰق کہتے ہیں کہ اگر دوسری جماعت کے ساتھ پڑھے تو دو رکعتیں اور اگر کوئی اکیلے پڑھے تو پھر چار پڑھے۔ امام نووی اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ اکیلے پڑھے تو چار رکعتیں پڑھے۔

ان حضرات نے نماز عید کی قضا کو نماز جمعہ قضا ہوجانے پر محمول کیا ہے کہ اگر نماز جمعہ قضا ہوجائے تو اس پر نماز ظہر فرض ہوجاتی ہے جبکہ عید کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ایسے شخص کو اختیار ہے، وہ چاہے تو قضا کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ قضا کرنے کی صورت میں چاہے تو چار رکعتیں پڑھ لے اور چاہے تو دو پڑھ لے۔ لیکن اس سلسلے میں صحیح مسلک یہی ہے کہ دو رکعتیں ہی پڑھے اور باقاعدہ تکبیرات زوائد بھی کہے جیسا کہ امام عطاء رحمہ اللہ (تابعی) کا ارشاد صحیح بخاری میں تعلیقاً بالجزم اور احکام العیدین للفریابی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں موصولاً مروی ہے:

«إِذَا فَاتَهُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ» (۱۴۴)

''جس کی نماز عید فوت ہوجائے وہ دو رکعتیں پڑھے۔''

جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''وَيُكَبِّرُ'' اور تکبیریں بھی کہے۔ ابن ابی شیبہ کے اس لفظ نے یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ نماز عید کی قضا بالکل اسی طرح ہوگی جیسی وہ دراصل ہے نہ کہ اس طرح کہ جیسے دو عام نفلی رکعتیں ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں نماز عید کی قضا کی تائید بعض دیگر آثار صحابہ و تابعین سے بھی ہوتی ہے جس میں سے ایک صحیح بخاری میں تعلیقاً اور مصنف ابن

(۱۴۴) دیکھیں: فتح الباری (۲/ ۴۷۵)

ابی شیبہ وسنن بیہقی میں موصولاً مروی ہے:

« اَمَرَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلَاهُمُ ابْنَ اَبِيْ عُتْبَةَ بِالزَّاوِيَةِ فَجَمَعَ اَهْلَهٗ وَبَنِيْهِ وَصَلّٰى كَمَا يُصَلُّوْنَ اَهْلُ الْمِصْرِ وَ كَبَّرَ تَكْبِيْرَهُمْ »(۱۳۵)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام ابن ابی عتبہ کو حکم فرمایا اور (بصرہ کے قریبی مقام) زاویہ (میں واقع اپنے محل میں) تمام اہل وعیال کو جمع کیا اور انھیں اسی طرح نماز پڑھائی جیسے شہر والے پڑھتے ہیں اور انھیں کی طرح تکبیریں بھی کہیں۔''

اور سنن بیہقی میں ہے:

« كَانَ اِذَا فَاتَهُ الْعِيْدُ مَعَ الْاِمَامِ جَمَعَ اَهْلَهٗ فَصَلّٰى بِهِمْ مِثْلَ صَلٰوةِ الْاِمَامِ فِي الْعِيْدِ »(۱۳۶)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اگر امام کے ساتھ نماز عید رہ جاتی تو اپنے اہل وعیال کو اکٹھا کر کے امام کی نماز عید کی طرح ہی نماز عید پڑھتے تھے۔''

اس اثر کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔(۱۳۷) جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اسے اپنی صحیح کے ایک ترجمہ میں لانا اور حافظ ابن حجر کا اس پر خاموشی اختیار کرنا کم از کم اس کے حسن درجہ کے ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ نیز حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد صحیح بخاری میں تعلیقاً اور مصنف ابن ابی شیبہ میں موصولاً مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

---

(۱۳۵) بخاری مع فتح الباری (۲/۴۷۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۴)

(۱۳۶) سنن البيهقي (۳/ ۳۰۵)

(۱۳۷) إرواء الغليل (۳/ ۱۲۰)

« اَهْلُ السَّوَادِ يَجْتَمِعُوْنَ فِي الْعِيْدِ يُصَلُّوْنَ رَكْعَتَيْنِ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ »(١٣٨)

''گاؤں والے (جو امام کے ساتھ نماز سے رہ گئے ہوں) وہ جمع ہوکر اسی طرح عید کی دو رکعتیں پڑھیں جیسے امام پڑھتا ہے۔''

نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ انھوں نے عید الفطر و عید الاضحیٰ کے بارے میں سفر و حضر والوں کے بارے میں کہا:

« يَجْتَمِعُوْنَ وَيَؤُمُّهُمْ اَحَدُهُمْ »(١٣٩)

''وہ جمع ہوجائیں اور ان میں سے ایک ان کی امامت کرائے۔''

ان تمام آثار کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ نماز عید کی جماعت سے رہ جانے والے لوگ بھی مل کر اسی طرح نماز عید ادا کریں جیسے امام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور تکبیریں بھی کہی جائیں۔ امام بخاری ؒ کا اپنا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

دوسرے دن نمازِ عید:

اگر کسی وجہ سے شوال کا چاند رات کو نہ دیکھا جا سکے اور لوگ اگلے روز روزہ رکھ لیں اور دن کے وقت بحالتِ روزہ ثقہ شہادت مل جائے کہ رات چاند دیکھا گیا ہے تو سب لوگوں کو روزہ افطار کردینا چاہیے، اور اگر یہ شہادت زوالِ آفتاب سے کچھ پہلے مل جائے تو اسی دن نماز عید بھی ادا کر لی جائے۔ ہاں اگر شہادت تاخیر سے ملے اور زوال آفتاب کا وقت بھی گزر چکا ہو، جو نماز عید کے لیے آخری وقت ہے تو لوگوں کو اگلے دن عید گاہ میں جا کر اس کے وقت میں عید کی نماز ادا کرنی چاہیے۔

(١٣٨) صحيح البخاري (١/ ٣٣٤) سنن البيهقي (٣/ ٣٠٥)

(١٣٩) مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ١٠)

امام اوزاعی، ثوری، احمد، اسحق، ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد اور ایک روایت میں امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ان سب کا استدلال سنن اربعہ (سوائے ترمذی) سنن بیہقی، دارمی، طحاوی، ابن الجارود، ابن حبان اور مسند احمد میں حضرت ابوعمیر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہے جسے امام ابن المنذر، ابن السکن، ابن حزم، امام خطابی اور حافظ ابن حجر نے صحیح قرار دیا ہے؛ اس میں وہ اپنے بعض انصاری چچوں (رضی اللہ عنہم) سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

«غُمَّ عَلَيْنَا هِلَالُ شَوَّالٍ فَأَصْبَحْنَا صِيَامًا فَجَاءَ رَكْبٌ مِنْ آخِرِ النَّهَارِ فَشَهِدُوْا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَ النَّاسَ اَنْ يُفْطِرُوْا مِنْ يَوْمِهِمْ وَ اَنْ يَخْرُجُوْا لِعِيْدِهِمْ مِنَ الْغَدِ» (150)

''ماہِ شوال کا چاند (بادلوں کی وجہ سے) ہم پر اوجھل رہا، لہٰذا ہم نے روزہ رکھ لیا۔ لیکن دن کے آخری پہر میں ایک قافلہ آیا اور اس کے افراد نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شہادت دی کہ انھوں نے کل شام چاند دیکھا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ روزہ کھول لیا جائے اور اعلان کروا دیا کہ اگلے دن نمازِ عید کے لیے عیدگاہ چلیں۔''

اس طرح اگلے دن جو نماز ادا کی جائے گی اس کے بارے میں امیر صنعانی نے سبل السلام میں اور امام شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز ادا ہوگی قضا نہیں۔ امام خطابی

---

(150) مسند أحمد (٥/ ٥٨) مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٣١٩) المنتقى لابن الجارود (١/ ٧٧) نیز دیکھیں: التلخيص الحبير (٢/ ٨٧) إرواء الغليل (٣/ ١٠٢)

نے امام شافعی سے روایت بیان کی ہے کہ اگر اس دن زوالِ آفتاب سے پہلے ہلالِ عید کی اطلاع مل جائے تو عید کی نماز پڑھی جائے اور اگر اس کے بعد چاند نظر آنے کی اطلاع ملے تو پھر نہ اس دن اور نہ ہی اگلے دن عید کی نماز پڑھی جائے کیونکہ یہ عمل ایک خاص وقت میں کیا جانے والا ہے اور وہ وقت گزر گیا تو اسے پھر کسی دوسرے وقت میں نہیں کیا جائے گا۔ امام خطابی کا کہنا ہے کہ امام مالک اور ابو ثور رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی امام خطابی رحمہ اللہ نے یہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل الفاظ بھی ارشاد فرما دیے ہیں:

« سُنَّةُ النَّبِيِّ اَوْلٰى بِالْاِتِّبَاعِ، وَحَدِيْثُ أَبِيْ عُمَيْرٍ صَحِيْحٌ فَالْمَصِيْرُ اِلَيْهِ وَاجِبٌ » (151)

''نبی کریم ﷺ کی سنت ہی پیروی کے لائق ہے اور حضرت ابو عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث صحیح ہے، لہٰذا اس پر عمل واجب ہے۔''

یہ حدیث تو نماز عید الفطر کے بارے میں ہے لیکن عید الاضحیٰ کی نماز کو بھی اسی پر قیاس کیا گیا ہے۔ (152)

عید مبارک کہنے کا مسنون طریقہ:

نماز عید اور خطبہ کے بعد ایک دوسرے کو ملتے وقت محض عید مبارک عید مبارک کہتے ہوئے گلے ملتے جانا ہی کافی نہیں بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کو ملتے وقت کہا جائے:

« تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكُمْ »

(151) معالم السنن (۱/ ۲۲۱)

(152) دیکھیں: سبل السلام (۱/۲/ ۶۴) نیل الاوطار (۲/ ۳۱۰)

”اللہ تعالیٰ ہماری اور تمھاری (عبادات) قبول کرے۔“

کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں محاملیات کے حوالے سے روایت بیان کی ہے، جس کی سند کو حسن کہا ہے؛ اس میں جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں:

”كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا الْتَقَوْا يَوْمَ الْعِيْدِ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكُمْ“ (۱۵۲)

”نبی ﷺ کے صحابہ جب عید کے دن ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے: اللہ تعالیٰ ہماری اور تمھاری عبادات قبول کرے۔“

امام سیوطی نے الحاوی للفتاوی کے جزء اول میں رسالہ ”وصول الأماني في أصول التهاني“ (صفحہ: ۱۰۹) میں اس اثر کو زاہر بن طاہر کی کتاب ”تحفہ عید الفطر“ اور ابو احمد فرضی کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہی الفاظ محاملی کی کتاب ”صلوۃ العیدین“ اور ابو القاسم اصبہانی کی کتاب ”الترغیب و الترہیب“ میں بھی مروی ہیں۔ نیز اس اثر کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن الترکمانی نے ”الجوہر النقی“ (۲/ ۳۲۰) میں محمد بن زیاد سے روایت کیا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں:

”كُنْتُ مَعَ أَبِيْ أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ فَكَانُوْا إِذَا رَجَعُوْا يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكُمْ“ (۱۵۳)

”میں حضرت ابو امامہ اور دوسرے اصحاب نبی ﷺ کے ساتھ تھا، وہ جب (عید گاہ سے) لوٹتے تو ایک دوسرے کو کہتے کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱۵۲) بحوالہ تمام المنۃ (ص: ۳۵۶)

(۱۵۳) الجوهر النقي (۳/ ۳۲۰)

ہماری اور تمھاری (عبادات) قبول کرے۔"

اس روایت کے بعد امام احمد کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے لیکن ابن ترکمانی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ روایت کس نے بیان کی ہے؟ البتہ امام سیوطی نے اسے بھی زاہر کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ اس میں "تقبل اللّٰه منا ومنكم" کے الفاظ منقول ہیں۔ (۱۵۵)

ان آثار سے معلوم ہوا کہ عید کے دن ایک دوسرے کو عید مبارک عید مبارک کہنے کی بجائے مذکورہ بالا دعائیہ الفاظ کہنا افضل ہے اور انھیں ہی رواج دینا چاہیے تاکہ ثواب بھی ہو۔ واللّٰه الموفق.

(۱۵۵) تفصیل کے لیے دیکھیں: تمام المنة (ص: ۳۵٤۔ ۳۵٦)

نمازِ عیدین کے بعد مصافحہ و معانقہ کی شرعی حیثیت

عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ، نماز عید سے فارغ ہوکر خطبہ ختم ہونے پر جب لوگ عید گاہ میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو سلام و مصافحہ اور معانقہ بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی عید مبارک عید مبارک کہنے کی رٹ لگاتے ہیں۔ ہمارے یہاں یہ سلسلہ صرف عید گاہ تک ہی نہیں بلکہ کئی دنوں تک ہر جگہ چلتا رہتا ہے۔ ان ہر دو مواقع پر عید مبارک، عید مبارک کہنے کی بجائے تو یہ الفاظ ذکر کیے جاچکے ہیں کہ "تقبل اللّٰہ منا ومنکم" کہنا چاہیے۔ اب مصافحہ و معانقہ کی شرعی حیثیت اور خصوصاً عیدین کی نماز کے بعد اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں برصغیر کے ایک معروف عالم اور محدث کبیر علامہ شمس الحق عظیم آبادی ڈیانوی رحمہ اللہ (مؤلف عون المعبود شرح سنن ابی داود) نے ایک مفصل فتویٰ رقم فرمایا تھا جو ایک رسالے کی شکل میں بھی شائع ہوا تھا اور بعد میں مولانا محمد عزیر صاحب نے جب علامہ موصوف کے مختلف کتب میں بکھرے ہوئے فتاویٰ کو یکجا کرکے "فتاویٰ مولانا شمس الحق عظیم آبادی" کے نام سے مرتب کیا،[۱۵۶] تو انھوں نے اس فتویٰ کو بھی اس مجموعہ (صفحہ ۱۱۶ تا ۱۲۵) میں نقل کر دیا ہے جسے ہم بلا تبصرہ من وعن یہاں نقل کر رہے ہیں۔

---

[۱۵۶] جسے علمی اکیڈمی کراچی نے ۱۹۸۹ میں شائع کیا۔

هِدَايَةُ النَّجْدَيْنِ، فِيْ حُكْمِ الْمُعَانَقَةِ وَالْمُصَافَحَةِ بَعْدَ الْعِيْدَيْنِ [۵۷]

عیدین کے بعد مصافحہ و معانقہ کا شرعی حکم

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله وأصحابه أجمعين.

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مصافحہ و معانقہ کے بارے میں جو خاص کر کے عیدین میں بعد نماز کے ہوتا ہے؟ اور مصافحہ اور معانقہ کا ایک ہی حکم ہے یا کوئی فرق ہے؟ اور ان دونوں کا کون سا وقت اور موقع ہے؟ جواب اس کا حدیث اور فقہ سے دیا جائے۔

جواب:

إِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ جاننا چاہیے کہ مصافحہ کرنا وقت ملاقات کے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ پس جب اور جس وقت دو مسلمان ملاقی ہوں، دونوں بعد سلام کے مصافحہ کریں۔ سنن الترمذی میں ہے:

«عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ

[۵۷] مولانا محمد عزیر مرتب ''فتاوی'' لکھتے ہیں: تنقیح المسائل۔ محفوظ اردو، زیر رقم: ۲۶۹۔ خدا بخش لائبریری۔ ورق ۶ ب۔ ۸ ب۔ یہ فتوی مطبع احسن المطابع محلہ گوبند عطار پٹنہ سے چھوٹے سائز کے سولہ صفحات پر شائع ہوا تھا۔ اس پر سنِ طباعت درج نہیں۔ (فتاوی، عظیم آبادی، ص: ۱۱۶۔ حاشیہ)

يَتفرَّقَا» قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

« عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا لَقِيَ الْمُؤْمِنَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَاَخَذَ بِيَدِهٖ تَنَاثَرَتْ خَطَايَاهُمَا كَمَا تَتَنَاثَرُ وَرَقُ الشَّجَرِ » رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْاَوْسَطِ وَسَنَدُهٗ حَسَنٌ.

« عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ قَالَ: اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا لَقِيَ اَخَاهُ فَاَخَذَ بِيَدِهٖ تَحَاتَتْ عَنْهُمَا ذُنُوْبُهُمَا كَمَا يَتَحَاتُ الْوَرَقُ عَنِ الشَّجَرَةِ الْيَابِسَةِ » رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ، قَالَهُ الْمُنْذِرِيُّ»

اور سلام و مصافحہ وقت رخصت کے بھی بعض روایات میں آیا ہے:

« عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا انْتَهٰى اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّقُوْمَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْاُوْلٰى بِاَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ » رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهٗ، وَالنَّسَائِيُّ، وَلَفْظُ ابْنِ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ: « إِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يَّجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ، وَاِنْ قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْاُوْلٰى بِاَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ»

« عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْاَخْذُ بِالْيَدِ» رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

اور معانقہ کرنا حضر میں ثابت نہیں، بلکہ منع ہے۔ ہاں جو سفر سے آوے اس سے معانقہ کرنا مستحب ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے:

« عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مِنَّا

يَلْقٰى اَخَاهُ اَوْصَدِيْقَهُ اَيَنْحَنِيْ لَهُ؟ قَالَ لَا، قَالَ: اَفَ ... ـه وَيُقَبِّلُهُ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَيَأْخُذُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ؟ قَا... نَعَمْ» رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، قَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

«وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِيْنَةَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَيْتِيْ فَأَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُرْيَانًا يَجُرُّ ثَوْبَهُ، وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُهُ لَا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ عُرْيَانًا، فَاعْتَنَقَهُ، وَقَبَّلَهُ» رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

«عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا تَلَاقَوْا تَصَافَحُوْا، وَإِذَا قَدِمُوْا مِنْ سَفَرٍ تَعَانَقُوْا» رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُّ، قَالَ الْمُنْذَرِيُّ فِي التَّرْغِيْبِ: "وَرُوَاتُهُ كُلُّهُمْ مُحْتَجٌّ بِهِمْ فِي الصَّحِيْحِ"

امام نووی نے شرح صحیح مسلم اور کتاب الاذکار میں لکھا ہے:

"وَالْمُعَانَقَةُ وَتَقَبُّلُ الْوَجْهِ لِغَيْرِ الْقَادِمِ مِنْ سَفَرٍ وَنَحْوِهٖ مَكْرُوْهَانِ، نَصَّ عَلٰى كَرَاهَتِهٖ اَبُوْ مُحَمَّدِنِ الْبَغَوِيُّ" اِنْتَهٰى وَهٰكَذَا قَالَ الطِّيْبِيُّ فِيْ شَرْحِ الْمَصَابِيْحِ، وَعَلِيُّ الْقَارِيْ فِي الْمِرْقَاةِ شَرْحِ الْمِشْكٰوةِ.

اور شیخ عبدالحق دہلوی شرح فارسی مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

"مختار مذہب ہمیں است کہ معانقہ وتقبیل درقدوم از سفر جائز است بے کراہت انتہی"

اور فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"يُكْرَهُ الْمُعَانَقَةُ" اِنْتَهٰى

اور مدخل شیخ ابن الحاج مالکی میں ہے:

”وَاَمَّا الْمُعَانَقَةُ فَقَدْ كَرِهَهَا مَالِكٌ“ اِنْتَهٰى

پس علماء حنفیہ و شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک معانقہ کرنا ایسے شخص سے جائز ہے جو سفر سے آیا ہو، اور سوائے اس کے مکروہ ہے۔

باقی رہا مصافحہ و معانقہ بعد نماز عیدین کے، پس اس کا جواب یہ ہے کہ معانقہ و مصافحہ کرنا بعد نماز عیدین کے ناجائز و بدعت ہے، اور یہ بدعت اگرچہ مدت قدیمہ سے جاری ہے مگر زمانہ قرون ثلاثہ میں اس کا وجود نہیں تھا؛ بعد قرون ثلاثہ کے یہ بدعت حادث ہوئی۔ اور لوگوں کی یہ حالت ہے کہ عیدگاہ یا مسجد میں عیدین کے دن نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اور سارے لوگ ایک جا موجود رہتے ہیں، اور ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی ہے مگر وقت ملاقات کے سلام اور مصافحہ کچھ بھی نہیں کرتے گویا کہ وقت ملاقات کے یہ مسنون ہی نہیں ہے، پھر جہاں نماز سے فرصت ہوئی ہر شخص نے مصافحہ یا معانقہ کرنا شروع کیا، گویا وقت مسنون اب آیا۔ اور اس مصافحہ و معانقہ کو لوگ سنت صلوۃِ عیدین کی سمجھتے ہیں۔ پس یہ مصافحہ ومعانقہ جو اس خصوصیت کے ساتھ بعد نماز عیدین کے ہوتا ہے بلا شک بدعت ومحدث فی الدین ہے۔

اور معانقہ کا حال تو اوپر معلوم ہوا کہ وقت قدومِ مسافر کے مسنون ہے، اور سوائے اس کے مکروہ ہے۔ پس معانقہ بعد صلوۃ العیدین یہ بھی مکروہ ہوگا اور اس تخصیص کے ساتھ علاوہ کراہت کے بدعت بھی ہوگا۔

شیخ احمد علی حنفی رومی نے مجالس الابرار ومسالک الاخیار میں لکھا ہے:

”اَلْمَجْلِسُ الْخَمْسُوْنَ فِيْ بَيَانِ الْمُصَافَحَةِ وَفَوَائِدِهَا وَبِدْعَتِهَا فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهَا: قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ: مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ يَتَفَرَّقَا“

فَيَثْبُتُ شَرْعِيَّةُ الْمُصَافَحَةِ عِنْدَ لِقَاءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيْهِ فَيَنْبَغِيْ اَنْ تُوْضَعَ حَيْثُ وَضَعَهَا الشَّرْعُ، اَمَّا فِيْ غَيْرِ حَالِ الْمُلَاقَاةِ مِثْلَ كَوْنِهَا عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ كَمَا هُوَ الْعَادَةُ فِيْ زَمَانِنَا فَالْحَدِيْثُ سَاكِتٌ عَنْهُ فَيَبْقٰى بِلَا دَلِيْلٍ، وَقَدْ تَقَرَّرَ فِيْ مَوْضِعِهٖ اَنَّ مَا لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ وَهُوَ مَرْدُوْدٌ لَا يَجُوْزُ التَّقْلِيْدُ فِيْهِ، بَلْ يَرُدُّهٗ مَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: «مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» اَيْ مَرْدُوْدٌ، فَاِنَّ الْاِقْتِدَاءَ لَا يَكُوْنُ اِلَّا بِالنَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ وَ قَالَ فِيْ آيَةٍ اُخْرٰى: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اَلَا اِنَّ الْفُقَهَاءَ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَ الشَّافِعِيَّةِ وَ الْمَالِكِيَّةِ صَرَّحُوْا بِكَرَاهَتِهَا وَ كَوْنِهَا بِدْعَةً»

''بدون وقت ملاقات کے جیسے بعد نماز جمعہ اور عیدین کے جو اس زمانے میں عادت جاری ہے، سو حدیث سے ثابت نہیں ہے پس یہ بلا دلیل ہے۔ اور اپنی جگہ میں یہ ثابت ہے کہ جس امر کو کچھ دلیل نہیں ہوتی تو وہ مردود ہوتا ہے اس میں پیروی جائز نہیں بلکہ اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہی رد ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے کچھ نئی بات نکالی ہمارے اس دین میں جو دین سے نہیں ہے سو وہ سب رد ہے۔ یعنی مردود ہے، کیونکہ پیروی سوائے نبی علیہ السلام کے کسی کی نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور جو دے تم کو

رسول لے لو اور جس سے منع کرے اس کو چھوڑ دو۔" اور ایک آیت میں فرمایا: "سو ڈرتے رہیں جو لوگ خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو عذاب درد دینے والا۔" علاوہ یہ ہے کہ فقہاء حنفی اور شافعی اور مالکی مذہبوں نے اس مصافحہ کو صاف مکروہ کہا ہے اور بدعت بتایا ہے۔

قَالَ فِي الْمُلْتَقَطِ: " يُكْرَهُ الْمُصَافَحَةُ بَعْدَ الصَّلَاةِ بِكُلِّ حَالٍ لِاَنَّ الصَّحَابَةَ مَا صَافَحُوْا بَعْدَ الصَّلَاةِ وَ لِاَنَّهَا مِنْ سُنَنِ الرَّوَافِضِ "

"ملتقط میں ہے کہ مصافحہ بہرحال نماز کے بعد مکروہ ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز کے بعد مصافحہ نہیں کیا اور اس لیے کہ یہ طریقہ رافضیوں کا ہے۔"

وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ: "مَا يَفْعَلُهُ النَّاسُ مِنَ الْمُصَافَحَةِ عَقِيْبَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ بِدْعَةٌ مَكْرُوْهَةٌ، لَا اَصْلَ لَهَا، فِي الشَّرِيْعَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ، يُنَبَّهُ فَاعِلُهَا اَوَّلًا بِاَنَّهَا بِدْعَةٌ مَكْرُوْهَةٌ وَ يُعَزَّرُ ثَانِيًا اِنْ فَعَلَهَا "

"اور ابن حجر مکی شافعی نے کہا یہ جو لوگ پنجگانہ نمازوں کے بعد مصافحہ کیا کرتے ہیں، بدعت مکروہہ ہے، شریعت محمدیہ میں اس کی کچھ اصل نہیں۔ مصافحہ کرنے والے کو پہلے بتلانا چاہیے کہ یہ بدعت مکروہ ہے، اور اگر ترک نہ کرے تو پھر تعزیر دینی چاہیے۔"

وَقَالَ ابْنُ الْحَاجِّ مِنَ الْمَالِكِيَّةِ فِي الْمُدْخَلِ: "يَنْبَغِيْ اَنْ يَمْنَعَ الْإِمَامُ مَا اَحْدَثُوْهُ مِنَ الْمُصَافَحَةِ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ بَلْ زَادَ بَعْضُهُمْ فِعْلَ ذٰلِكَ

بَعْدَ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ، وَ ذٰلِكَ كُلُّهٗ مِنَ الْبِدَعِ، وَ مَوْضِعُ الْمُصَافَحَةِ فِي الشَّرْعِ إِنَّمَا هُوَ عِنْدَ لِقَاءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِيْهِ لَا فِي اَدْبَارِ الصَّلَوَاتِ، فَحَيْثُ وَضَعَهَا الشَّرْعُ يَضَعُهَا، وَ يُنْهٰى عَنْهَا وَ يُزْجَرُ فَاعِلُهَا لِمَا اَتٰى مِنْ خِلَافِ السُّنَّةِ، وَ هٰذَا التَّصْرِيْحُ مِنْهُمْ يُشْعِرُ بِالْإِجْمَاعِ فَلَا يَجُوْزُ الْمُخَالَفَةُ، بَلْ يَلْزَمُ الْاِتْبَاعُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ وَ لَوْ لَمْ يُصَرِّحِ الْفُقَهَاءُ بِكَرَاهَتِهَا بَلْ كَانَتْ مُبَاحَةً فِيْ نَفْسِهَا لَحَكَمْنَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ بِكَرَاهَتِهَا اِذْ وَاظَبَ عَلَيْهَا النَّاسُ، وَاعْتَقَدُوْهَا سُنَّةً لَازِمَةً بِحَيْثُ لَا يُجِيْزُوْنَ تَرْكَهَا حَتّٰى وَصَلَ اِلَيْنَا مِنْ بَعْضِ مَنِ اشْتَهَرَ بِالْعِلْمِ اَنَّهٗ قَالَ: هِيَ مِنْ شَعَائِرِ الْاِسْلَامِ فَكَيْفَ يَتْرُكُهَا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ؟ فَانْظُرُوْا يَا اَهْلَ الْاِنْصَافِ اِذَا كَانَ اعْتِقَادُ الْخَوَاصِّ هٰكَذَا فَاعْتِقَادُ الْعَوَامِ مَاذَا يَكُوْنُ؟ وَ كُلُّ مُبَاحٍ اَدّٰى اِلٰى هٰذَا فَهُوَ مَكْرُوْهٌ" اِنْتَهٰى

''اور ابن الحاج مالکی نے مدخل میں لکھا ہے: امام کو لازم ہے کہ وہ اس مصافحہ سے جو بعد نماز صبح کے اور بعد نماز جمعہ کے اور بعد نماز عصر کے نیا نکال کر شروع کیا ہے منع کر دے بلکہ بعض لوگ تو پنجگانہ نماز کے بعد کرنے لگے ہیں، یہ تمام بدعت ہے، اور شرع میں مقام مصافحہ کا صرف وقت ملاقات مسلم کا ہے بھائی مسلمان سے، نمازوں کے بعد نہیں ہے۔ پھر جس جگہ شرع نے مقرر کیا ہے اسی جگہ قائم

رکھنا چاہیے اور مصافحہ سے منع کرنا چاہیے اور مصافحہ کرنے والوں کو زجر کرنا چاہیے جبکہ خلاف سنت کرنے لگے۔ اور ان کی اس تصریح سے اجماع معلوم ہوتا ہے، سو مخالفت جائز نہیں، بلکہ اتباع لازم ہے ۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کھل چکی اس پر راہ کی بات، اور چلے خلاف سب مسلمانوں کی راہ سے، سو ہم اس کو حوالہ کریں گے جو اس نے پکڑے اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں، اور بہت بری جگہ پہنچا۔'' اور اگر فقہاء اس مصافحہ کو صاف مکروہ نہ کہتے بلکہ فی نفسہ مباح ہوتا تو بھی ہم اس زمانہ میں کراہت کا حکم کرتے، اس لیے کہ لوگ اس پر جم گئے ہیں اور اسے سنت لازمہ جانتے ہیں کہ اس کا ترک کرنا جائز نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ ہم کو خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص جو صاحب علم مشہور ہے کہتا ہے یہ مصافحہ اسلام کی نشانیوں میں سے ہے جو ایمان والا ہے اس کو کیوں چھوڑ سکتا ہے؟ اب اے انصاف والو! دیکھو تو جب خواص کا یہ اعتقاد ہو تو عوام کا کیا ہوگا؟ اور جو امر مباح اس نوبت کو پہنچ جاوے پھر وہ بھی مکروہ ہے۔''

اور کہا حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اغاثۃ اللھفان میں:

''اِنَّ الْعَمَلَ اِذَا جَرٰی عَلٰی خِلَافِ السُّنَّةِ فَلَا اعْتِبَارَ بِهٖ، وَ لَا الْتِفَاتَ اِلَیْهِ، وَ قَدْ جَرَی الْعَمَلُ عَلٰی خِلَافِ السُّنَّةِ مُنْذُ زَمَنٍ طَوِیْلٍ فَاِذَنْ لَا بُدَّ لَكَ اَنْ تَكُوْنَ شَدِیْدَ التَّوَقِّیْ مِنْ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ وَ اِنِ اتَّفَقَ عَلَیْهِ الْجُمْهُوْرُ، وَ لَا یَغُرَّنَّكَ اِطْبَاقُهُمْ مَا اُحْدِثَ بَعْدَ الصَّحَابَةِ، بَلْ یَنْبَغِیْ لَكَ اَنْ تَكُوْنَ حَرِیْصًا عَلٰی

التَّفْتِيْشِ عَنْ اَحْوَالِهِمْ وَ اَعْمَالِهِمْ، فَاِنَّ اَعْلَمَ النَّاسِ وَاَقْرَبَهُمْ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَتْبَعُهُمْ وَ اَعْرَفُهُمْ بِطَرِيْقِهِمْ، اِذْ مِنْهُمْ اُخِذَ الدِّيْنُ وَ هُمُ الْحُجَّةُ فِيْ نَقْلِ الشَّرِيْعَةِ عَنْ صَاحِبِ الشَّرْعِ، يَنْبَغِيْ لَكَ اَنْ لَا تُبَالَ لِمُخَالَفَتِكَ لِاَهْلِ عَصْرِكَ فِيْ مُوَافَقَتِكَ لِاَهْلِ عَصْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ"

"یعنی عمل جب خلاف سنت ہونے لگتا ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، اور اس کی طرف کچھ التفات نہیں، بے شک عمل برخلاف سنت مدت دراز سے جاری ہو رہا ہے، سو اب تجھ کو ضرور ہے کہ محدثات یعنی نئی نئی باتوں سے بہت ہی ڈرتا رہے اگر چہ اس پر جمہور متفق ہوں گئے ہوں، سو تجھ کو ان کا اتفاق نئے امور پر جو بعد صحابہ کے ہوگئے ہیں فریب نہ دیدے، بلکہ تجھ کو یہ لائق ہے کہ بہ حرص تمام ان کے احوال و اعمال کو ڈھونڈتا رہے کیونکہ تمام لوگوں میں بڑا عالم اور بڑا مقرب خدا تعالیٰ کا وہ ہے جو صحابہ سے بہت مشابہ اور ان کے طریقے سے خوب واقف ہے کیونکہ دین ان ہی سے حاصل ہوا ہے اور نقل شریعت میں وہی اصل ہیں، سو تجھ کو لائق ہے کہ اس کی کچھ پروا نہ کرے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موافقت کرنے میں اپنے زمانے کے لوگوں سے مخالفت ہوگی۔"

اور ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:

"وَ نُقِلَ فِيْ تَبْيِيْنِ الْمَحَارِمِ عَنِ الْمُلْتَقَطِ اَنَّهٗ تُكْرَهُ الْمُصَافَحَةُ بَعْدَ اَدَاءِ الصَّلَاةِ بِكُلِّ حَالٍ لِاَنَّ الصَّحَابَةَ مَا صَافَحُوْا بَعْدَ اَدَاءِ الصَّلَاةِ وَ لِاَنَّهَا مِنْ سُنَنِ الرَّوَافِضِ" انْتَهٰى

اور شیخ عبدالحق نے ترجمہ مشکوۃ میں لکھا ہے:

''آنکہ بعضے مردم مصافحہ میکنند بعد از نماز یا بعد از نماز جمعہ چیزے نیست و بدعت است از جہت تخصیص وقت انتہی۔''

اور کتاب مدخل شیخ ابن الحاج مالکی کی جلد دوم "فصل في المصافحة خلف الصلوة" میں اس کی پوری بحث ہے اور عبارت اس کی اوپر گزری۔ اور بھی مدخل دوم "فصل في سلام العيدين" میں ہے:

"وَاَمَّا الْمُعَانَقَةُ فَقَدْ كَرِهَهَا مَالِكٌ، وَاَجَازَهَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، اَعْنِي عِنْدَ اللِّقَاءِ مِنْ غَيْبَتِهٖ كَانَتْ، وَاَمَّا فِي الْعِيْدَيْنِ لِمَنْ هُوَ حَاضِرٌ مَعَكَ فَلَا، وَاَمَّا الْمُصَافَحَةُ فَاِنَّهَا وُضِعَتْ فِي الشَّرْعِ عِنْدَ لِقَاءِ الْمُؤْمِنِ لِاَخِيْهِ، وَ اَمَّا فِي الْعِيْدَيْنِ عَلٰى مَا اعْتَادَهٗ بَعْضُهُمْ عِنْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الصَّلٰوةِ يَتَصَافَحُوْنَ فَلَا اَعْرِفُهٗ" اِنْتَهٰى

یعنی معانقہ و مصافحہ بعد صلوۃ عیدین کی اس کی اصلیت ہم شرع سے نہیں پہچانتے ہیں۔

پھر علامہ ابن الحاج نے بعض علماء فاس ملک مغرب کا حال لکھا:

"اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا فَرَغُوْا مِنْ صَلَاةِ الْعِيْدِ صَافَحَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ"

اس کے بعد علامہ الحاج نے ان لوگوں کے اس فعل کو رد کیا ہے اور فرمایا:

"فَاِنْ كَانَ يُسَاعِدُهُ النَّقْلُ عَنِ السَّلْفِ فَيَا حَبَّذَا وَ اِنْ لَمْ يُنْقَلْ عَنْهُمْ فَتَرْكُهٗ اَوْلٰى"

یعنی ان علماء فاس کے اس عمل کا ثبوت سلف صالحین صحابہ و تابعین سے ہو تو بہت بڑی عمدہ بات ہے اور اگر ثابت نہ ہو تو اس کو چھوڑ ہی دینا بہتر ہے۔

اور اوپر معلوم ہوا کہ اس فعل کا ثبوت نہیں ہے، پس یہ فعل بدعت ہے اور عمل علماء فاس حجت نہیں ہے۔ اور اوپر حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوا جب عمل خلافِ سنت ہونے لگتا ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

پس حاصل کلام یہ ہوا کہ مصافحہ و معانقہ بعد صلوۃ العیدین کے بدعت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَقَدْ سَمَّيْتُ هٰذِهِ الرِّسَالَةَ بِهِدَايَةِ النَّجْدَيْنِ اِلٰى حُكْمِ الْمُعَانَقَةِ وَالْمُصَافَحَةِ بَعْدَ الْعِيْدَيْنِ. فَقَطْ (۱۵۸)

(۱۵۸) فتاوی علامہ شمس الحق عظیم آبادی (ص: ۱۱۶، ۱۲۵) طبع علمی اکیڈمی کراچی، مرتبہ مولانا محمد عزیر شمس۔

اجتماعِ عید و جمعہ کی شکل

میں

ایک افواہ کی حقیقت

مسائل عید میں سے ایک موضوع ہے: عید اور جمعہ کا ایک دن میں جمع ہو جانا۔ پھر اس موضوع کے بھی دو پہلو ہیں:

① اگر کبھی عید و جمعہ ایک ہی دن آ جائیں تو اس کے بارے میں مشہور کی گئی ایک افواہ اور اس کی اصل حقیقت۔

② جب کبھی ایسا ہو جائے تو احکام جمعہ میں تغیر و تبدیلی اور اس کے بارے میں ائمہ و فقہاء کے نظریات۔

ایک افواہ کی حقیقت:

صرف عوام الناس کی حد تک ہی نہیں بلکہ بعض پڑھے لکھے صحافی اور اردو روز ناموں کے مستقل کالم نگار حضرات پر بھی ان کے ماحول کا اثر ہے اور وہ بھی علم دین کی صحیح واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اس افواہ کو کسی نہ کسی رنگ میں اپنے کالموں کی زینت بنا دیتے ہیں۔ وہ افواہ کیا ہے؟

کہا جاتا ہے کہ اگر عید جمعہ کے دن آ جائے اور جمعہ کے دن دو خطبے، خطبۂ عید اور خطبۂ جمعہ ہوں تو یہ حکمران کے لیے باعثِ زوال اور قوم و ملک کے

لیے بھاری ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ خالص جاہلانہ نظریہ اور محض اوہام پرستی ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق اور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بعض لوگ کسی بات کے مشہور ہو جانے اور اسے اکثر لوگوں کے مان لینے سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ سب لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں ٹھیک ہی ہوگا، حالانکہ اسلام میں کسی کام یا بات کے ٹھیک ہونے یا نا درست ہونے کا معیار لوگوں کی زبان یا آوازۂ خلق نہیں بلکہ کتاب و سنت ہے۔ اگر ایک بات کو لوگوں کی اکثریت اپنا لیتی ہے جبکہ وہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہے تو وہ ہرگز درست نہیں، ایسے ہی ایک بات قرآن و سنت سے ثابت ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس کی منکر و تارک ہو تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور اس بات کے درست ہونے میں کتاب و سنت کا ماننے والا کوئی بھی مسلمان ہرگز کسی شک و شبہ کا شکار نہیں ہوتا۔ اسی طرح جرائد و مجلّات میں جو مواد شائع ہوتا رہتا ہے اس کے ساتھ اگر کوئی شرعی سند نہ ہو تو محض اخبارات میں شائع ہو جانے سے کوئی بات درست ثابت نہیں ہو جاتی۔

مسائلِ دین کے بارے میں اس بنیادی اصول کے پیش نظر عید کے روز جمعہ آ جانے اور ایک ہی دن میں دو خطبے ہونے کو حکمرانوں کے زوال کا باعث اور قوم و ملک کے لیے بھاری کہے جانے کی افواہ بھی توہم پرستی اور عوامی ذہن کی پیداوار ہے، قرآن وسنت سے ایسی باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

ویسے عقلی نقطہ نظر سے بھی یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف ہم جمعہ کے دن کو خیر و برکت کا دن کہتے ہیں، اسی طرح عید کے دن کو بھی ہم مبارک دن سمجھتے ہیں اور عید مبارک کہتے ہیں مگر جب یہ دونوں برکتیں ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو خوشی دوبالا ہونی چاہیے تھی مگر توہم پرستوں کے چہرے اتر

جاتے ہیں اور وہ اسے باعثِ نحوست و مصیبت سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ اچھے کام جتنے زیادہ ہوں گے خیر و برکت میں بھی اتنا ہی اضافہ ہوگا نہ کہ قوموں اور حکمرانوں کے لیے باعثِ زوال!!

یہ سب لایعنی عقائد اور فضول قسم کے نظریات ہیں جو تعلیماتِ دین سے ناآشنائی اور جہالت کا نتیجہ ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے فاضل دوست جناب مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ نے بھی ایک قاری کے سوال پر بڑا جچا تلا جواب لکھا تھا، ہم نے بھی یہاں اس سے استفادہ کیا ہے۔ (۱۵۹)

دین میں اس افواہ کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے برعکس خود نبی کریم ﷺ کے عہد مسعود میں جمعہ اور عید ایک ساتھ آئے، جیسا کہ سنن ابو داود و نسائی و ابن ماجہ و صحیح ابن خزیمہ و سنن بیہقی و مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

« وَسَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ: هَلْ شَهِدْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِيْدَيْنِ إِجْتَمَعَا؟ قَالَ: نَعَمْ، صَلَّى الْعِيْدَ أَوَّلَ النَّهَارِ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ» (۱۶۰)

"ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم نے ایسا پایا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مسعود میں کبھی دو عیدیں (عید و جمعہ) اکٹھے ہوئے ہوں؟ انھوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے دن کے شروع میں نماز عید پڑھائی اور جمعہ کی رخصت دے دی۔"

---

(۱۵۹) دیکھیں: صراط مستقیم، برمنگھم، (ج:۱۰، ش۱۲)

(۱۶۰) مسند أحمد (٤/ ٣٧٢) سنن أبي داود، رقم الحديث (١/ ٤٥٩) سنن الدارمي (١/ ٤٥٩)

امام شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ایاس بن ابو رملہ مجہول ہے لیکن امام علی بن مدینی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (۱۶۱)

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسی کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی کہ عید و جمعہ کا اکٹھا ہو جانا خطرناک اور باعث نحوست ہے بلکہ سنن ابو داود و ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کی سند میں ایک راوی بقیہ بن ولید ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام دارقطنی نے اس حدیث کو مرسل کی حیثیت سے صحیح قرار دیا ہے اور امام بیہقی نے اسی کو موصولاً روایت کیا ہے اور جمعہ کی رخصت کو عوالی مدینہ کے لوگوں کے ساتھ خاص بیان کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ (۱۶۲) اس حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

«قَدِ اجْتَمَعَ فِيْ يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيْدَانِ ... الخ» (۱۶۳)

''آج تمھارے لیے دو عیدیں (دو خوشیاں) جمع ہو گئی ہیں۔''

اس حدیث کی رو سے تو جمعہ و عید کے اکٹھے ہو جانے کو دو خوشیوں کا اجتماع قرار دیا گیا ہے، اور یہ لوگ ایسے میں پریشان ہو جائیں کہ نہ معلوم کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ یہ کہاں کی محبتِ رسول ﷺ ہے؟

ایسے ہی صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں عید و جمعہ اکٹھے آگئے تو انھوں نے بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيْهِ عِيْدَانِ» (۱۶۴)

(۱۶۱) نيل الأوطار (۲/ ٤/ ۲۸۲)

(۱۶۲) حوالہ سابقہ

(۱۶۳) سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۰۷۳) صحيح ابن حبان (۸/ ۳٦٤)

(۱۶۴) بخاری مع الفتح (۱۰/ ۲۴، طبع دار الافتاء)

''اے لوگو! آج وہ مبارک دن ہے کہ جس میں تمھاری دو عیدین جمع ہوگئی ہیں۔''

صحیح بخاری کے الفاظ میں اس بات کی صراحت نہیں کہ وہ عید کون سی تھی؟ البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ عید الاضحیٰ تھی۔ (۱۶۵)

اسی طرح سنن ابو داود و نسائی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد میں جمعہ اور عید الفطر اکٹھے آگئے تو انھوں نے بھی (خطبۂ عید میں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے) فرمایا:

« عِيْدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ» (۱۶۶)

''ایک ہی دن میں دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں۔''

جمعہ کو عید کا نام بھی ان احادیث بالا کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کیا ہوا ہے جیسا کہ عید و جمعہ کو دو عیدیں کہنے سے ظاہر ہے۔ ایسے ہی سنن کبری بیہقی میں بھی ایک حدیث میں ہے:

« مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِهٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَكُمْ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ» (۱۶۷)

''اے مسلمانوں! اس (جمعہ کے) دن کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے یوم عید بنایا ہے لہٰذا تمھیں جمعہ کے دن غسل اور مسواک ضرور کرنا چاہیے۔''

ان سب احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ عید و جمعہ کا اکٹھے ہو جانا باعثِ نحوست نہیں بلکہ ازدیاد مسرت کا موجب ہے اور اسے حکمرانوں کے لیے باعثِ

(۱۶۵) فتح الباری (۱۰/۲۴)

(۱۶۶) سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۰۷۲)

(۱۶۷) سنن البيهقي (۳/ ۲۴۳)

زوال اور قوم و ملک کے لیے بھاری قرار دینا توہم پرستی اور خرافات کا نتیجہ ہے، جن میں آج امت اسلامیہ کا ایک بہت بڑا طبقہ مبتلا ہے۔ بقول اقبال ؏

یہ امت خرافات میں کھو گئی

ایک ہی دن میں اجتماع عید و جمعہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جس جمعہ کے دن عید ہو، اس دن کی نماز جمعہ کے بارے میں کیا تغیر واقع ہوتا ہے اور نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟

نماز جمعہ کے حکم میں تغیر اور رخصت:

اس سلسلے میں متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کبھی عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو نماز جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سنن ابو داود، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، بیہقی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم نے کوئی ایسا موقع پایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہوں تو انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ پھر مزید فرمایا:

« صَلَّى الْعِيْدَ أَوَّلَ النَّهَارِ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ... الخ» (۱۶۸)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کے شروع میں عید کی نماز پڑھی اور جمعہ کی رخصت دے دی۔“

نیز فرمایا:

«مَنْ شَاءَ اَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعْ» ”جو جمعہ پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے۔“

اسی طرح عید گاہ میں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۶۸) دیکھیں: نمبر (۱۶۰)

نے عام اجازت دے دی کہ جو شخص جمعہ بھی پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے اور جو نہ پڑھنا چاہے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح سنن ابو داود و ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں بھی ہے کہ آج تمھارے لیے دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں:

« فَمَنْ شَآءَ اَجْزَاَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ، وَاِنَّا مُجَمِّعُوْنَ »(۱۶۹)

''تم میں سے جو شخص چاہے اس کے لیے نماز عید ہی جمعہ سے کفایت کر جائے گی البتہ ہم جمعہ پڑھیں گے۔''

صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب عید (الاضحیٰ) اور جمعہ اکٹھے ہوگئے تو انھوں نے اپنے خطبۂ عید میں ارشاد فرمایا:

''اے لوگو آج تمھاری دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں۔''

« فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنْ اَهْلِ الْعَوَالِي فَلْيَنْتَظِرْ »

''عوالی مدینہ کے لوگوں میں سے جو شخص جمعے کا انتظار کرنا چاہے وہ کرے۔''

« وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ اَذِنْتُ لَهُ »(۱۷۰)

''اور جو شخص اپنے گاؤں کو لوٹ جانا چاہے اسے میں نے اجازت دے دی۔''

ایسے ہی سنن ابی داود و نسائی میں حضرت وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد میں نماز جمعہ اور عید الفطر ایک ہی دن

(۱۶۹) دیکھیں: نمبر (۱۶۳)
(۱۷۰) صحیح بخاری مع فتح الباری (۱۰/۲۴)

میں اکٹھی ہوگئیں تو انھوں نے نماز عید کے لیے نکلنے میں اس قدر تاخیر کردی کہ سورج کافی چڑھ آیا، پھر وہ آئے اور خطبہ ارشاد فرمایا اور خطبہ سے فارغ ہوکر نماز عید پڑھائی۔ آگے وہ بیان کرتے ہیں:

« وَلَمْ يُصَلِّ لِلنَّاسِ يَوْمَئِذٍ الْجُمُعَةَ »

''اور اس دن لوگوں کو نماز جمعہ نہیں پڑھائی۔''

حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا (جو اس عید کے دن طائف میں تھے) تو انھوں نے فرمایا:

« أَصَابَ السُّنَّةَ » (۱۷۱) ''انھوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کیا۔''

ان سب احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن عید آجائے تو نماز جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، جو پڑھنا چاہے پڑھ لے اور جو نہ پڑھے اسے بھی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کی رخصت دے دی گئی ہے۔ علامہ ابن قیم، امام صنعانی، امام شوکانی، نواب صدیق حسن خان، شیخ البانی اور دیگر اہل علم کا یہی مسلک ہے۔ (۱۷۲)

اصحابِ رخصت؟

کیا یہ رخصت سب کے لیے ہے؟ اس میں ائمہ و فقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً حنابلہ کے نزدیک جمعہ کی رخصت سب کے لیے ہے

(۱۷۱) سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۰۷۱) سنن النسائي، رقم الحديث (۱۵۹۲)

(۱۷۲) زاد المعاد (۲/ ۴۴۸ بتحقیق الارناؤوط) الروضة الندية شرح الدرر البهية (۱/ ۱۴۱، ۱۴۲ طبع دار المعرفة بیروت)

سوائے امام کے، تا کہ جو لوگ جمعہ پڑھنا چاہیں انھیں وہ جمعہ پڑھائے۔ ان کا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ "وَاِنَّا مُجَمِّعُوْنَ" سے ہے کہ ہم تو ضرور جمعہ پڑھیں گے۔

جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ رخصت شہر والوں کے لیے نہیں بلکہ صرف ان دیہات والوں کے لیے ہے (جن کے یہاں جمعہ نہ ہوتا ہو) ان کا استدلال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے ہے کہ مدینہ طیبہ کے نواحی گاؤں (عوالی مدینہ) کے لوگوں میں سے جو شخص نماز جمعہ کا انتظار کرنا چاہے کرلے اور جو لوٹ جانا چاہے لوٹ جائے میں نے اسے اجازت دی۔

شافعیہ کا کہنا ہے کہ نواحی دیہات کے لوگوں کا شہر میں آکر عید پڑھنا، پھر واپس اپنے گھروں کو لوٹنا اور جمعہ کے لیے دوبارہ شہر آنا باعث مشقت ہے اور مشقت سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کے بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور جمہور اہل علم کا قول یہی ہے۔

اور مالکیہ میں سے مطرف، ابن وہب اور ماجشون نے امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ ضروری ہے اور یہی مسلک احناف کا بھی ہے، جبکہ معروف محقق و مجتہد امام شوکانی نے نیل الاوطار میں، برصغیر کے معروف عالم اور والی ریاست بھوپال علامہ نواب صدیق حسن خان نے الروضۃ الندیۃ میں اور شیخ احمد عبدالرحمان البنا نے بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی میں دلائل وبراہین سے ثابت کیا ہے کہ نماز جمعہ کی رخصت سب کے لیے ہے، شہر کا ہو یا گاؤں کا، عوام الناس میں سے ہو یا امام و حاکم، البتہ شیخ البنا نے اتنا لکھا ہے کہ شہر والوں کے لیے جمعہ واجب تو نہیں البتہ مستحب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور امام عطا رحمہ اللہ سے نماز جمعہ کی عام رخصت کی روایت ملتی ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا نماز جمعہ نہ پڑھانا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان پر اعتراض نہ کرنا اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا "أصاب السنة" فرمانا اور کسی صحابی کا اس پر بھی اعتراض نہ کرنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمعہ نہ پڑھنے کی اجازت دینا اور ان پر بھی کسی صحابی کا اعتراض نہ کرنا عید کے دن نماز جمعہ کے عدم وجوب کی قوی دلیل ہے۔ مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امام عطا رحمہ اللہ کے نزدیک عید و جمعہ کے ایک ہی روز آ جانے کی شکل میں نماز جمعہ ہی نہیں بلکہ نماز ظہر بھی فرض نہیں رہتی۔ امام شوکانی، نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ اور سید سابق نے اس کی تائید و تفصیل ذکر کی ہے اور خصوصاً سنن ابو داود میں امام عطا رحمہ اللہ سے مروی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فعل "لَمْ يَزِدْ عَلَيْهِمَا حَتّٰى صَلَّى الْعَصْرَ" انھوں نے (نماز عید کی) دو رکعتوں کے سوا کچھ نہ پڑھا یہاں تک کہ نماز عصر ادا فرمائی، سے استدلال کیا ہے۔ (۱۶۳)

(۱۶۳) تفصیل کے لیے دیکھیں: نیل الاوطار (۲/ ۴/ ۲۸۲، ۲۸۳) الروضۃ الندیۃ (۱/ ۱۴۱، ۱۴۲) شرح السنۃ بغوی (۲/ ۲۲۲، ۲۲۳، طبع المکتب الاسلامی بیروت) الفتح الربانی (۶/ ۳۲ـ ۳۶) فقہ السنۃ (۱/ ۳۱۶)

قربانی کا فلسفہ اور بعض احکام

قرآن کریم میں

① ﴿وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [البقرہ: ۱۸۵]

’’اللہ چاہتا ہے تم روزوں کی گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو (تکبیریں کہو) اور اس کا شکر کرو۔‘‘

② ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ [البقرہ: ۱۹۶]

’’مگر جو شخص مریض ہو یا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہو اور اس بنا پر اپنا سر منڈوالے تو اسے چاہیے کہ فدیے کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔‘‘

③ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ [البقرہ: ۲۰۳]

’’اور ان گنتی کے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو (تکبیریں کہو)۔‘‘

④ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْيَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنعام: ۱۶۲]

’’کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری ساری عبادات (وقربانی) میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔‘‘

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور امام عطا رحمہ اللہ سے نماز جمعہ کی عام رخصت کی روایت ملتی ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا نماز جمعہ نہ پڑھانا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان پر اعتراض نہ کرنا اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا "أصاب السنة" فرمانا اور کسی صحابی کا اس پر بھی اعتراض نہ کرنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمعہ نہ پڑھنے کی اجازت دینا اور ان پر بھی کسی صحابی کا اعتراض نہ کرنا عید کے دن نماز جمعہ کے عدم وجوب کی قوی دلیل ہے۔ مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امام عطا رحمہ اللہ کے نزدیک عید و جمعہ کے ایک ہی روز آجانے کی شکل میں نماز جمعہ ہی نہیں بلکہ نماز ظہر بھی فرض نہیں رہتی۔ امام شوکانی، نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ اور سید سابق نے اس کی تائید وتفصیل ذکر کی ہے اور خصوصاً سنن ابو داود میں امام عطا رحمہ اللہ سے مروی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فعل "لَمْ یَزِدْ عَلَیْهِمَا حَتّٰی صَلَّی الْعَصْرَ" انھوں نے (نماز عید کی) دو رکعتوں کے سوا کچھ نہ پڑھا یہاں تک کہ نماز عصر ادا فرمائی، سے استدلال کیا ہے۔ (۱۷۳)

❁❁❁

(۱۷۳) تفصیل کے لیے دیکھیں: نیل الاوطار (۲/ ۴/ ۲۸۲، ۲۸۳) الروضۃ الندیۃ (۱/ ۱۴۱، ۱۴۲) شرح السنۃ بغوی (۲/ ۲۲۲، ۲۲۳، طبع المکتب الاسلامی بیروت) الفتح الربانی (۶/ ۳۲_۳۶) فقہ السنۃ (۱/ ۳۱۶)

قربانی کا فلسفہ اور بعض احکام

قرآن کریم میں

① ﴿وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [البقرہ: ۱۸۵]

''اللہ چاہتا ہے تم روزوں کی گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو (تکبیریں کہو) اور اس کا شکر کرو۔''

② ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ [البقرہ: ۱۹۶]

''مگر جو شخص مریض ہو یا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہو اور اس بنا پر اپنا سر منڈوا لے تو اسے چاہیے کہ فدیے کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔''

③ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ [البقرہ: ۲۰۳]

''اور ان گنتی کے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو (تکبیریں کہو)۔''

④ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنعام: ۱۶۲]

''کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری ساری عبادات (وقربانی) میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

5 ﴿ذٰلِكَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۝
لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ
الْعَتِيْقِ۝ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى
مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ
اَسْلِمُوْا وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ
قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَ
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ
لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ
جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا
لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا
وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [الحج: ٣٢، ٣٧]

"اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔ اس میں تمھارے لیے ایک مقرر وقت تک فائدہ ہے، پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں۔ سمجھ لو کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہے تم اس کے تابع فرماں ہو جاؤ، عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل تھرا جاتے ہیں، انھیں جو برائی پہنچے

اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے وہ اس میں سے بھی دیتے رہتے ہیں۔ اور قربانی کے اونٹ ہم نے تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کردی ہیں ان میں نفع ہے۔ پس انھیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں اسے خود بھی کھاؤ اور مسکین، سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلا دو، اس طرح ہم نے چوپاؤں کو تمھارے ماتحت کردیا ہے کہ تم شکرگزاری کرو، اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون پہنچتے ہیں اس طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمھارا مطیع کر دیا ہے کہ تم اس کی راہنمائی کے شکریے میں اس کی بڑائیاں بیان کرو اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔“

6 ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الکوثر: ۲]

”پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔“

قربانی
کے
احکام و مسائل

عشرہ ذوالحج کی فضیلت:

ماہ ذوالحج نہ صرف سفرِ حج و عمرہ پر روانہ ہونے والوں کے لیے بلکہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں بالخصوص مسلمانوں کے لیے بڑی فضیلت و برکت اور رحمت والا مہینہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ [التوبة: ٣٦]

''جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اسی وقت سے اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے جن میں چار مہینے حرمت و احترام والے ہیں۔''

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تو ان حرمت والے چار مہینوں کی تعیین نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص راہنمائی سے امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ نے ان کی تعیین بھی فرما دی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (حجۃ الوداع کے سال) نبی اکرم ﷺ نے یوم نحر

(قربانی کے دن) کو خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں دیگر بہت سے اہم دینی مسائل و احکام کی طرف خصوصی توجہ دلانے کے علاوہ حرمت والے چار مہینوں کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا:

« ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَ ذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَىٰ وَشَعْبَانَ »⑰

''تین مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم تو مسلسل ہیں اور (چوتھا) رجب ہے جو جمادی (الثانیہ) اور شعبان کے درمیان ہے۔''

قرآن کریم اور صحیحین میں مذکور اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ ماہ ذوالحج حرمت وفضیلت والا مہینہ ہے۔ پھر اس ماہ کے بھی پہلے دس دن ''عشرہ ذو الحج'' کی تو اور بھی بہت فضیلت ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کی حرمت اور کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے تیسویں پارے میں عشرۂ ذوالحج کی راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اسی طرح نو ذوالحج یعنی یوم عرفہ اور دس ذوالحج یعنی یوم نحر وقربانی، ان دنوں کی بھی قسم کھائی اور ان کی عظمت وحرمت کو اجاگر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ فجر کی ابتدائی تین آیتوں میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ [الفجر: ۱ تا ۳]

''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ فجر سے مراد بطور خاص

⑰ بخاری (۳۱۹۷) "بدء الخلق، باب ما جاء في سبع أرضين..." و (۴۶۶۲) "التفسير، باب إن عدة الشهور..." مسلم (۱۱/ ۱۶۷، ۱۶۸) "القاصة، باب تغليظ تحريم الدماء..." اسی طرح اس کو احمد (۵/ ۳۷) اور ابو داود (۱۹۴۸، ۲۹۴۷) "الحج" نے بھی روایت کیا ہے۔

یوم نحر وقربانی کی صبح ہے اور دس راتوں سے ذوالحج کی پہلی دس راتیں مراد ہیں۔
اپنی اس تفسیر کی تائید میں صحیح بخاری، سنن ابوداود وترمذی اور ابن ماجہ میں مذکورہ ارشادِ نبوی بھی نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«مَا مِنْ اَیَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِیْھِنَّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ الْعَشْرِ»

''اللہ تعالیٰ کو ذوالحج کے ان دس دنوں کی عبادت سے بڑھ کر کسی دوسرے دن کی عبادت محبوب نہیں ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار فرمایا:

«وَ لَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ؟»

''کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِہٖ وَ مَالِہٖ ، فَلَمْ یَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَیْءٍ» (۱۷۵)

---

(۱۷۵) بخاری (۹۶۹) ''العیدین'' ابوداود (۲۴۳۸) ترمذی (۷۵۷) ابن ماجہ (۱۷۲۷) سب نے کتاب الصیام میں روایت کیا ہے، اسی طرح اس حدیث کو دارمی (۲/ ۲۵) ''الصیام''، ابن خزیمہ (۲۸۶۵)، ابن حبان (۳۲۴ تحقیق الشیخ شعیب) بیہقی (۴/ ۲۸۴)، عبدالرزاق (۸۱۲۱)، طیالسی (۲/ ۲۰۷)، احمد (۱/ ۳۴۶)، ابن جمیع نے ''معجم الشیوخ'' (۱۲۳) میں اور ابن حزم نے بھی ''المحلی'' (۷/ ۱۹) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ حدیث عبداللہ بن عمرو اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

۱۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کو احمد (۲/ ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۷، ۲۲۳) نے روایت کیا ہے اور یہ ان سے دو سندوں سے مروی ہے اور حسن درجہ کی حدیث ہے۔

۲۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو طبرانی نے ''الاوسط'' (۱۷۷۷) میں اور ابن جمیع نے ←

”جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، سوائے اس شخص کے جو اپنی جان و مال ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں نکلا اور کوئی چیز واپس نہ لایا (یعنی جان و مال سب اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور شہید ہو گیا)۔“

اندازہ فرمائیں کہ عملی شہادت اور مالی قربانی دینے کے سوا دوسرا کوئی عمل ان دس دنوں میں کیے گئے نیک عمل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سورہ فجر کی ان ابتدائی آیات کی تفسیر مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یوں مرفوعاً مروی ہے:

« اِنَّ الْعَشْرَ: عَشْرُ الْاَضْحٰی وَ الْوِتْرَ: یَوْمُ عَرَفَةَ، وَالشَّفْعَ: یَوْمُ النَّحْرِ لِكَوْنِهِ الْعَاشِرَ»(١٧٦)

”دس سے مراد ذوالحج کے پہلے دس دنوں کی راتیں ہیں اور طاق سے مراد یوم عرفہ ہے اور جفت سے مراد نحر و قربانی کا دن ہے کیونکہ وہ دسواں دن ہوتا ہے۔“

تفسیر ابن کثیر میں جفت اور طاق کی تفسیر میں امام صاحب موصوف نے مذکورہ قول کے علاوہ بھی کئی اقوال نقل کیے ہیں لیکن علامہ محمد نسیب الرفاعی نے اسی

← ”معجم الشیوخ“ (٣٢١) میں روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔

(١٧٦) اس حدیث کو احمد (٣/ ٣٢٧) نسائی نے ”السنن الکبری“ میں جیسا کہ ”تحفة الأشراف“ (٢/ ٢٩٦/ ٢٧٠٤) میں ہے، حاکم (٤/ ٢٢٠) اور ابن جریر نے ”تفسیر“ (١٥/ ١٦٩) میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس کی سند کے راویوں میں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے مگر اس متن کے مرفوع ہونے میں میرے نزدیک نکارت پائی جاتی ہے (تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٥٤٠) ﴿ولیال عشر﴾ کی تفسیر ”عشرہ ذوالحجہ“ سے ابن عباس، ابن الزبیر، مجاہد اور کئی سلف اور خلف سے بھی مروی ہے اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر نے صحیح کہا ہے۔

مذکورہ تفسیر کو سب سے زیادہ قوی اور مناسب قرار دیا ہے۔

(مختصر تفسیر ابن کثیر للرفاعي: ٤/ ٣٧٦)

اس ماہ ذوالحج، پھر اس کے پہلے دس دنوں کی فضیلت و برکت اپنی جگہ، خاص یوم عرفہ یعنی نو ذوالحج کی تو نبی اکرم ﷺ نے بہت ہی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم، سنن ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ میں نو ذوالحج کے روزے کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

« صَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ يُكَفِّرُ سَنَتَيْنِ ، مَاضِيَةً وَ مُسْتَقْبِلَةً »⁽⁴⁷⁾

''یوم عرفہ کا روزہ دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے: ایک گزرا ہوا سال اور دوسرا آئندہ سال۔''

لیکن یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جو لوگ حج کر رہے ہوں اور نو ذوالحج کے دن میدان عرفات میں موجود ہوں، ان کے لیے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شک گزرا کہ میدان عرفات میں نبی اکرم ﷺ بروزے سے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ روزے سے ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ روزے سے نہیں ہیں، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کی طرف دودھ کا پیالہ بھیجا:

« فَشَرِبَ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِعَرَفَةَ »⁽⁴⁸⁾

''آپ نے وہ دودھ پی لیا جبکہ آپ ﷺ میدانِ عرفات میں لوگوں

(47) مسلم (٨/ ٥٠/ ٥١) ابو داود (٢٤٢٥-٢٤٢٦) ''باب في صوم الدهر تطوعا'' ترمذی (٧٤٩) ابن ماجہ (١٧٣٠) سب نے ''كتاب الصيام'' میں، ابن خزیمہ (٢٠٨٧) بیہقی (٢٨٦،٢٨٣/٤) احمد (٥/ ٢٩٧، ٣٠٨، ٣١١)

(48) صحيح البخاري، رقم الحديث (١٥٧٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٢٣)

سے خطاب فرمار ہے تھے۔“

صحیح بخاری ومسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میدان عرفات میں حجاج کا روزہ رکھنا خلاف سنت ہے۔ اس کی تائید سنن ابو داود، ابن ماجہ اور مسند احمد کی ایک متکلم فیہ روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَاتٍ » (۱۷۹)

(۱۷۹) ابو داود (۲۴۴۰) ”الصیام“ ابن ماجہ (۱۷۳۲) ”الصیام“ مسند احمد (۲/ ۴۴۶) اسی طرح اس حدیث کو ابن ابی شیبہ (۳/ ۱۹۵، ۱۹۶، دارالتاج) ابن خزیمہ (۲۱۰۱) عقیلی (۱/ ۲۹۸) حاکم (۱/ ۴۳۴) بیہقی (۴/ ۲۸۴، ۵/ ۱۱۷) اور خطیب بغدادی نے ”تاریخ بغداد“ (۹/ ۳۴) میں روایت کیا ہے۔ اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے اور حاکم نے اس کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے مگر یہ نہ تو صحیح اور نہ ہی بخاری کی شرط پر ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی مہدی بن حرب الہجری ہے اور یہ مجہول ہے، جیسا کہ ابن حزم نے ”المحلی“ (۷/ ۷۷) میں اور حافظ ابن حجر نے ”تلخیص الحبیر“ (۲/ ۲۱۳) میں کہا ہے۔ امام نووی نے المجموع (۶/ ۳۸۰) میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے، اور حافظ ابن حجر نے ”تقریب“ میں اس کو مقبول کہا ہے یعنی متابعت کی صورت میں۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے ”تلخیص“ میں کہا ہے کہ اس کی سند میں مہدی الہجری مجہول ہے اور عقیلی نے ”ضعفاء“ میں اس حدیث کو اسی کے طریق سے روایت کیا ہے اور کہا ہے ”لا يتابع عليه“ (وہ اس حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہے) مگر یہ حافظ صاحب کا وہم ہے کیونکہ عقیلی نے یہ بات مہدی سے اس حدیث کے راوی حوشب بن عقیل کے بارے میں کہی ہے اور اسی کے ترجمہ ہی میں انھوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر کی تقلید میں یہی بات صنعانی نے ”سبل السلام“ میں (۲/ ۶۸۱) اور شوکانی نے ”نیل الاوطار“ (۴/ ۲۳۹) میں کہی ہے حالانکہ ضعفاء عقیلی میں تو مہدی بن حرب کا ترجمہ ہی نہیں ہے۔ ”تلخیص“ میں تو حافظ صاحب نے یوں کہا ہے مگر تہذیب التہذیب (۳/ ۵۸) میں انھوں نے عقیلی کا مذکورہ قول حوشب بن عقیل کے ترجمہ ہی میں نقل کیا ہے۔ ←

”نبی اکرم ﷺ نے عرفات کے میدان میں یوم عرفہ (حج) کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔“

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک عرفات میں موجود لوگوں کے سوا سب کے لیے یوم عرفہ کا روزہ مستحب ہے۔(بحواله فقه السنة: ١/ ٤٥٠)

صیام عاشوراء سے دس محرم کا روزہ مراد ہے جس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی ایک روزہ رکھنا مسنون ہے جبکہ عشرہ ذوالحج سے مراد عام لوگوں کے لیے یکم سے لے کر نو ذوالحج تک کے روزے اور حجاج کے لیے یکم سے لے کر آٹھ ذوالحج تک کے روزے مراد ہیں۔ عشرۂ ذوالحج کے روزوں کے بارے میں تو متعدد احادیث ملتی ہیں جن میں ان کا ثواب مذکور ہے اور یوم عرفہ کے روزے کا ثواب دیگر کتب کے علاوہ صحیح مسلم میں مذکور ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں، پھر بقیہ ایام کے روزوں کی مشروعیت و استحباب اور ثواب بھی بجا ہے لیکن یہ روایت کہ ہر دن کے روزے کا ثواب سال

← عرفۃ کے دن عرفہ میں روزہ کی ممانعت کے لیے حدیث عقبۃ بن عامر کفایت کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”يوم عرفة و يوم النحر، أيام تشريق عيدنا أهل الإسلام وهي أيام أكل وشرب“ عرفہ قربانی اور تشریق کے دن ہم اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔ اس حدیث کو ابو داوود (۲۴۱۹) ”الصیام“ ترمذی (۷۷۳) ”الصیام“ نسائی (۵/ ۲۵۲) ”الحج“ اور ابن خزیمہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے، اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ امام نسائی اس حدیث کو درج ذیل باب کے تحت لائے ہیں: ”النهي عن صوم يوم عرفة“ واضح رہے کہ عرفہ کے دن روزہ کی ممانعت کو حجاج کرام کے ساتھ خاص سمجھا جائے کیونکہ دوسری صحیح حدیث میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی بہت فضیلت آئی ہے جیسا کہ حدیث (۱۷۷) میں گزرا ہے اور یہ حدیث غیر حجاج کے لیے ہوگی۔

بھر کے روزوں کے برابر اور ہر رات کے قیام کا ثواب لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔ یہ روایت سنن ترمذی و ابن ماجہ میں مروی ہے لیکن اسے خود امام ترمذی ہی نے ضعیف قرار دیا ہے۔(۱۸۰)

نوادراتِ سلف:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ عشرہ ذوالحج افضل ہے یا عشرہ رمضان؟ تو انھوں نے فرمایا: عشرہ ذوالحج کے دن رمضان کے آخری عشرہ کے دنوں سے افضل ہیں۔ موصوف کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی صاحب عقل و خرد اس جواب پر غور کرے تو اسے شافی و کافی پائے گا کیونکہ (ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے) کوئی دن بھی ایسا نہیں جس میں کیا گیا کوئی عمل اس عشرۂ ذوالحج کے ایام میں کیے گئے عمل سے افضل ہو۔ پھر انھیں ایام میں یوم عرفہ، یوم نحر اور یوم ترویہ جیسے فضیلت والے ایام بھی شامل ہیں جبکہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کی راتیں قیام کی راتیں ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں شب زندہ داری فرمایا کرتے تھے (اسی غرض سے اعتکاف کیا جاتا ہے) اور انھیں راتوں میں سے ایک رات (لیلۃ القدر) بھی ہے، جس کا ثواب ہزار مہینے کی عبادت سے بھی زیادہ ہے۔ کوئی شخص اس تفصیل کے سوا کوئی دوسرا جواب دے تو اس کے بس میں نہیں کہ کوئی دلیل بھی دے سکے۔

آگے چل کر شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

(۱۸۰) اس حدیث کو ترمذی (۷۵۸) ابن ماجہ (۱۷۲۸) اور بغوی (۱۱۲۶) نے روایت کیا ہے۔ ابن عدی (۷/ ۲۳-۲۵) نے بھی اس حدیث کا ابتدائی ٹکڑا روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے، اس کو ترمذی اور بغوی نے ضعیف کہا ہے۔

ہفتے کے ایام میں سے افضل دن جمعہ، سال کے ایام میں سے افضل یوم نحر اور بعض کے نزدیک یوم عرفہ ہے مگر صحیح یوم نحر ہی ہے کیونکہ صحیح حدیث نبوی اور پھر امام مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ کے نزدیک بھی ''یوم نحر'' ہی ''یوم حج اکبر'' ہے۔

(مجموع الفتاوی: ۲۵/ ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹)

قربانی کی فضیلت واہمیت

قرآن وسنت کے واضح نصوص کی رو سے ماہ ذوالحج بڑی حرمت وفضیلت والا مہینہ ہے۔ اسی ماہ کی دس تاریخ یوم نحر وقربانی اور ''عید الاضحیٰ'' کے نام سے معروف ہے، اسی عید کو قربانیوں کی وجہ سے ''عید قربان'' کہا جاتا ہے۔

حج اکبر:

اسی دن کو ''یوم حج اکبر'' بھی قرار دیا گیا ہے۔ عید کے دن کو یوم حج اکبر قرار دینے سے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام بخاری نے تعلیقاً اور امام ابو داود نے موصولا بیان کیا ہے، جس میں مروی ہے:

«يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ: يَوْمُ النَّحْرِ، وَالْحَجُّ الْاَكْبَرُ الْحَجُّ»

''حج اکبر کا دن قربانی کا دن ہے اور ''حج اکبر'' حج ہے۔''

''وَ اِنَّمَا قِيْلَ الْاَكْبَرُ مِنْ اَجْلِ قَوْلِ النَّاسِ: اَلْحَجُّ الْاَصْغَرُ'' (181)

''لوگوں کے (عمرہ کو) حج اصغر کہنے کے مقابلے میں اسے ''حج اکبر'' کہا گیا ہے۔''

صحیح مسلم میں ابن شہاب سے مروی ہے کہ حمید بن عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے:

''يَوْمُ النَّحْرِ يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ مِنْ اَجْلِ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ''

(181) اس کو بخاری مع فتح الباری (۳/۵۷۴) نے تعلیقاً، ابو داود (۱۹۴۵) ابن ماجہ (۳۰۵۸) حاکم (۲/۳۳۱) اور بیہقی (۵/ ۱۳۹) نے موصولاً روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، حاکم اور ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی (مذکورہ بالا) حدیث کی بنا پر یوم نحر ہی ''یوم حج اکبر'' ہے۔''

نیز قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ [التوبة: ٣]

''اور ''حج اکبر'' کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منادی کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (دونوں) مشرکوں سے بے تعلق (جدا وعلیحدہ) ہیں۔''

اس آیت میں مذکور ''یوم حج اکبر'' کی وضاحت مذکورہ احادیث اور دیگر احادیث سے ہوجاتی ہے کہ وہ ''یوم نحر'' ہے۔

(دیکھیں: فتح الباري: ٨/ ٣١٧، ٣٢٠، مجموع الفتاوى لابن تيمية: ٢٥/ ٢٨٨، ٢٨٩، مناسك الحج والعمرة، ص: ٣٦)

مذکورہ وضاحت سے اس نظریے کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی جو یہ کہا جاتا ہے کہ جو ''یوم عرفہ'' جمعہ کے دن آئے اسے ''حج اکبر'' کہا جاتا ہے اور اس کا ثواب عام حج سے ستر گناہ زیادہ ہے۔ یہ بات درست نہیں کیونکہ ''حج اکبر'' تو ''یوم نحر'' کو کہا گیا ہے، اسی بنا پر ہی تو اس عید کو بڑی عید بھی کہا جاتا ہے۔

اس عید کے دن کا محبوب ترین عمل قربانی کے جانوروں کا خون بہانا ہے۔ قربانی کی اہمیت کا اندازہ تو اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے تیسویں پارے میں اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الكوثر: ٢]

''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

اس آیت میں مذکور لفظ ''نحر'' کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں، جنھیں ذکر کرنے کے بعد امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد قربانیوں کا ذبح کرنا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، اردو: ۵/ ۷۱۱)

اس سابقہ تفصیل سے قربانی کی فضیلت و اہمیت تو واضح ہو جاتی ہے جب کہ متعدد احادیث میں اس کی مزید فضیلت بھی وارد ہوئی ہے مگر وہ احادیث ضعیف السند ہیں حتی کہ امام ابن العربی رحمہ اللہ نے ترمذی شریف کی شرح ''عارضۃ الاحوذی'' میں لکھا ہے:

''لَیْسَ فِيْ فَضْلِ الْأَضْحِیَةِ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ ''

[بحوالہ المرعاۃ: ۳/ ۳۶۳]

قربانی کی فضیلت کے بارے میں کوئی ایک حدیث بھی صحیح نہیں۔ ان غیر صحیح احادیث میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں۔

① سنن ترمذی اور ابن ماجہ میں مروی ہے:

« مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ یَوْمَ النَّحْرِ عَمَلاً اَحَبَّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ، وَاِنَّهٗ لَیَأْتِيْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا، وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِهَا نَفْسًا » (۱۸۲)

(۱۸۲) ترمذی (۱۴۹۳) ابن ماجہ (۳۱۲۶) اسی طرح اس کو ابن حبان نے ''المجروحین'' (۳/ ۱۵۱) میں، حاکم (۴/ ۲۲۱، ۲۲۲) بیہقی (۹/ ۲۶۱) اور بغوی (۱۱۲۴) نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے: ضعیف اس لیے کہ اس میں ایک راوی ابو المثنی ہے اور یہ ضعیف ہے، اسی لیے امام حاکم کی اس حدیث کی تصحیح کو علامہ ذہبی نے رد کیا ہے؛ اور منقطع اس لیے ہے کہ اس حدیث کو ابو المثنی نے ہشام بن عروہ سے روایت کیا اور اس کا ہشام سے سماع نہیں ہے جیسا کہ امام بیہقی نے ترمذی کے حوالے سے ←

''قربانی کے دن بنی آدم کے اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو اتنا زیادہ محبوب عمل کوئی نہیں جتنا قربانی کے جانوروں کا خون بہانا ہے۔ قیامت کے دن (نامۂ اعمال میں درج کرنے کے لیے) وہ سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت لایا جائے گا اور قربانی کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ قطرۂ خون کے زمین پر گرنے سے پہلے شرفِ قبولیت سے نواز دیتا ہے لہٰذا تم خوشی خوشی قربانی کیا کرو۔''

۲ سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں مروی ہے:

«سُنَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ»

یہ (قربانی) تمھارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔''

اسی حدیث میں ہے:

«بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ»

''ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے۔''

اور قربانی کے جانوروں کی اون کے متعلق یوں مذکور ہے:

"بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ"[۱۸۳]

← امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے پہلے جملے کا ایک شاہد بھی طبرانی کبیر'' (۱۱/ ۳۲) میں ابن عباس کی حدیث میں ہے: ''اس دن خون بہانے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کوئی عمل محبوب نہیں الا یہ کہ ٹوٹی ہوئی قرابت کو جوڑا جائے۔'' مگر یہ حدیث شاہد بننے کے قابل نہیں کیونکہ اس کی سند میں راوی ضعیف ہیں۔

[۱۸۳] ابن ماجہ (۳۱۲۷) مسند احمد (۴/ ۳۶۸) اسی طرح اس کو عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۲۵۹) میں، عقیلی (۴/ ۳۰۷) ابن حبان نے "المجروحین" (۳/ ۵۵۔۵۶) میں، طبرانی نے ''کبیر'' (۵/ ۱۹۷) میں اور حاکم (۲/ ۳۸۹) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے، اس میں عائذ اللہ ضعیف ہے اور ابو داود نفیع بن حارث متروک ہے بلکہ ابن معین نے اسے کذاب کہا ہے۔

''اون کے ہر ریشے کے بدلے میں نیکی ملتی ہے۔''

علاوہ ازیں قربانی کے سنت ابراہیمی ہونے کا ثبوت تو خود قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔ چنانچہ سورۃ الصافات میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ [الصفت: ۱۰۷]

''اور ہم نے بڑی قربانی (اسماعیل کے) فدیے میں دے کر اسے چھڑا لیا۔''

سنن ابن ماجہ اور مسند احمد والی مذکورہ بالا حدیث سنن ترمذی میں بھی مروی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

«لِصَاحِبِهَا بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ»⁽¹⁸⁴⁾

''قربانی دینے والے کے لیے جانور کے ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔''

۳ سنن دار قطنی میں ہے:

«مَا اَنْفَقْتَ الْوَرِقَ فِيْ شَيْءٍ اَفْضَلَ مِنْ نَحِيْرَةٍ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ»⁽¹⁸⁵⁾

''عید کے دن کسی نیک کام میں چاندی خرچ کرنا بھی اتنا کارِثواب نہیں جتنا کہ خون بہانا ہے۔''

قربانی کے معاملے میں اسوۂ نبوی:

نبی اکرم ﷺ سفر و حضر ہر حالت میں ہر سال قربانی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

---

(۱۸۴) دیکھیں: نمبر (۱۸۳)

(۱۸۵) دار قطنی (۴/ ۲۸۲) اسی طرح اس کو ابن حبان نے ''المجروحین'' (۱/ ۱۰۱) میں طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (۱۱/ ۱۷) میں، ابن عدی (۱/ ۲۲۸) اور بیہقی (۹/ ۲۶۱) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند ابراہیم بن یزید الخوزی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

" اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ "(۱۸۶)

''نبی اکرم ﷺ دس سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور قربانی کرتے رہے۔''

آپ ﷺ کے سفر کے دوران قربانی کرنے کے بارے میں تو ایک صحیح حدیث سنن ترمذی ونسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

« كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰى، فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرِ سَبْعَةٌ وَفِي الْبَعِيْرِ عَشْرَةٌ »(۱۸۷)

'' ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ عیدالاضحیٰ آ گئی تو ہم ایک گائے میں سات آدمی اور ایک اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔''

ان احادیث کی مجموعی تعداد سے بھی قربانی کی اہمیت وفضیلت واضح ہوجاتی ہے۔

---

(۱۸۶) ترمذی (۱۵۰۷) اس حدیث کو امام ترمذی نے تو حسن کہا ہے مگر اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ہے؛ یہ مدلس ہے اور اس نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے سماع کی صراحت بھی نہیں کی؛ نیز وہ بہت زیادہ غلطیاں بھی کرتا ہے جیسا کہ ''تقریب'' میں ہے، لہٰذا اس کی سند ضعیف ہے۔

(۱۸۷) ترمذی (۹۰۵، ۱۵۰۱) ''الحج والاضاحی'' نسائی (۲۲۲/۷) ابن ماجہ (۳۱۳۱) اسی طرح اس کو ابن خزیمہ (۲۹۰۸) ابن حبان (۱۰۵۰) طبرانی نے ''معجم کبیر'' (۱۱/ ۳۳۶) میں، حاکم (۴/ ۲۳۰) اور بیہقی (۵/ ۲۳۵، ۲۳۶) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے؛ ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔

قربانی کی شرعی حیثیت:

اب رہی یہ بات کہ قربانی واجب ہے یا سنت؟ تو اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ الفاظِ حدیث ((سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ)) نے ان قربانیوں کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ کردیا ہے کہ یہ کوئی معمولی کام یا محض گوشت خوری کا ایک ذریعہ نہیں بلکہ یہ تو جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک عظیم یادگار ہے۔ اس یادگار کی اہمیت کا اندازہ کرنا ہو تو قصص القرآن یا قصص الانبیاء پر مشتمل کوئی معتبر کتاب پڑھ کر دیکھیں۔ تفسیر قرآن میں ''ذبح عظیم'' اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس یادگار واقعہ کا مطالعہ کر کے دیکھیں اور اگر زیادہ نہیں تو کم از کم قرآن کریم کا با ترجمہ مطالعہ ہی کرلیں، آپ کو ان قربانیوں کی عظمت کا آسانی سے اندازہ ہو جائے گا۔

ہم یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اکلوتے لختِ جگر کو رضائے الٰہی کی خاطر قربان کرنے کے واقعات کی تفصیل و جزئیات کے ذکر میں نہیں جانا چاہتے تاکہ بات طویل نہ ہوجائے، البتہ اتنا ضرور عرض کریں گے کہ کم از کم قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذبۂ فدائیت کو دہرالیں کیونکہ ''ذبح عظیم'' اور اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کے لیے حضرت خلیل علیہ السلام کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اپنے اندر عبرتوں اور نصیحتوں کا ایک بحر بیکراں لیے ہوئے ہے۔

قرآن کریم میں حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السلام اور خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعات مندرجہ ذیل مقامات پر مذکور ہیں:

سورۂ بقرہ	رکوع	۱۵، ۱۶، ۳۵
سورۂ آل عمران	رکوع	۷، ۱۰
سورۂ نساء	رکوع	۱۸
سورۂ مائدہ	رکوع	۱۳
سورۂ انعام	رکوع	۹، ۱۰، ۲۰
سورۂ توبہ	رکوع	۱۴
سورۂ ہود	رکوع	۷
سورۂ ابراہیم	رکوع	۶
سورۂ حجر	رکوع	۴
سورۂ نحل	رکوع	۱۶
سورۂ مریم	رکوع	۳، ۴
سورۂ انبیاء	رکوع	۵
سورۂ حج	رکوع	۴، ۱۰
سورۂ شعراء	رکوع	۵
سورۂ عنکبوت	رکوع	۲،۳،۴
سورۂ صافات	رکوع	۳
سورۂ ص	رکوع	۴
سورۂ زخرف	رکوع	۳
سورۂ ذاریات	رکوع	۲
سورۃ الممتحنہ	رکوع	۱
سورۂ اعلیٰ	آخری آیت	

ان مقامات میں سے ''سورۂ صافات'' کے تیسرے رکوع میں اس قربانی اور ''ذبح عظیم'' کا واقعہ مذکور ہے جس کی یادگار ہماری یہ قربانیاں ہیں۔

ان قربانیوں کے سنت ابراہیمی ہونے کے علاوہ یہ ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ کی بھی ایسی سنت ہے کہ آپ نے سفر و حضر میں ہر سال اس پر عمل فرمایا، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔ صحابہ و تابعین، ائمہ کرام اور فقہاء و محدثین کی اکثریت نے بھی اسے سنت ہی قرار دیا ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ہر صاحبِ استطاعت کے لیے قربانی کو واجب قرار دیا ہے جبکہ مشہور محقق علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے قربانی کو واجب قرار دیا ہو جبکہ اکثریت سے یہ ثابت ہے کہ یہ غیر واجب ہے لیکن قربانی کے شرائع دینیہ میں سے ایک اہم عبادت (اور شعائر اسلام) ہونے میں کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں۔

(دیکھیں: نیل الأوطار: ۲/ ۵/ ۱۰۹، ۱۱۲، الفتح الرباني و شرحه: ۱۳/ ۶۰، ۶۱، مرعاۃ المفاتیح: ۳/ ۳۴۹، ۳۵۰)

ترکِ قربانی پر وعید:

جو شخص قربانی کا جانور خریدنے یا اونٹ، گائے میں حصہ ڈالنے کی طاقت رکھتا ہو اور اس کے باوجود بھی اس سنت ابراہیمی و سنت مصطفوی کا احیا نہیں کرتا، اس پر نبی اکرم ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے عتاب شدید کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے جو سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((مَنْ وَجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرُبَنَّ مُصَلَّانَا)) (۱۸۸)

''جو شخص قربانی کی طاقت رکھتا ہو پھر بھی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے۔''

گویا جو شخص طاقت کے باوجود قربانی جیسے عمل اور شعائر اسلام سے غفلت وسستی اختیار کرتا ہے اسے مسلمانوں کی عید گاہ میں جانے اور نماز عید ادا کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟

اس حدیث کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں کہ کس قدر بدنصیب ہیں وہ لوگ جو شادی بیاہ اور پیدائش و اموات کے موقعوں، قومی و ملکی رسموں اور علاقائی رواجوں پر تو خلاف شرع بھی پانی کی طرح پیسہ بہائے جاتے ہیں لیکن سال کے بعد جب عیدالاضحیٰ آتی ہے تو قربانی کے لیے ایک بکرا یا مینڈھا خریدنے یا اونٹ گائے میں حصہ دار بننے کی بھی انھیں توفیق نہیں ہوتی۔

ایک قربانی میں پورے گھر والوں کی شرکت:

جبکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ حاجیوں کی طرح ہر ہر فرد کا قربانی کرنا ضروری ہو بلکہ غیر حاجیوں کے لیے تو پورے گھر والوں کی طرف سے صرف ایک ہی قربانی کر لینا بھی کافی ہے البتہ اپنی مرضی سے کوئی زیادہ قربانیاں دے تو زیادہ ثواب ہے۔ چنانچہ سنن ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے

(۱۸۸) ابن ماجہ (۳۱۲۳) مسند احمد (۲/ ۳۲۱) اسی طرح اسے دارقطنی (۴/ ۲۸۹، ۲۸۵/ ۴/ ۲۳۳) بیہقی (۹/ ۲۶۰) اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۸/ ۳۳۸) میں روایت کیا ہے۔ اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر اور بوصیری کا رجحان بھی اس کی صحت کی طرف ہے۔ ملاحظہ ہو: "الدراية" لابن حجر (۲/ ۲۱۳) اور "مصباح الزجاجة" للبوصيري (۱۰۸) علامہ البانی نے اس کو "صحيح الجامع" (۶۳۴۶) میں ذکر کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

مروی ہے کہ میں نے میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

« كَيْفَ كَانَتِ الضَّحَايَا فِيْكُمْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟»

''نبی اکرم ﷺ کے عہد مسعود میں تم قربانیاں کیسے کرتے تھے؟''

تو انھوں نے جواب دیا:

'' كَانَ الرَّجُلُ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ يُضَحِّيْ بِالشَّاةِ عَنْهُ، وَ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ ''(۱۸۹)

''نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی اپنی اور اپنے سارے گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی دیا کرتا تھا۔''

اس کی تائید سنن اربعہ اور مسند احمد کی ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے:

« عَلٰى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَةٌ »(۱۹۰)

(۱۸۹) ترمذی (۱۵۰۵) ابن ماجہ (۳۱۴۷) اسی طرح اسے مالک (۲/ ۴۸۶) طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (۴/ ۱۳۷، ۱۳۸) میں اور بیہقی (۹/ ۲۶۸) نے بھی روایت کیا ہے، اور یہ صحیح حدیث ہے؛ امام نووی نے بھی ''المجموع'' (۸/ ۳۸۴) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

(۱۹۰) ابو داود (۲۷۸۸) ترمذی (۱۵۱۸) نسائی (۵/ ۱۶۷، ۱۶۸) ابن ماجہ (۳۱۲۵) احمد (۴/ ۲۱۵، ۵/ ۷۶) اسی طرح اسے طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (۲۰/ ۳۱۰، ۳۱۱) میں، ابو الشیخ نے طبقات المحدثین (۱/ ۷۳، ۷۴) میں، بیہقی (۹/ ۲۶۰) اور بغوی (۱۱۲۸) نے بھی ابو رملہ کے واسطے سے مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ سند ضعیف ہے۔ ابو رملۃ جس کا نام عامر ہے، کو خطابی نے ''معالم السنن'' (۲/ ۲۲۶) میں اور ابن حزم نے ''المحلی'' (۷/ ۳۵۷) میں مجہول کہا ہے، اور حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں کہا ہے: ''لا یعرف'' یہ معروف نہیں۔ حافظ صاحب نے ''فتح الباری'' (۱۰/ ۴) میں اس سند کو قوی کہا ہے مگر یہ قوی کیسے ہوسکتی ہے کیونکہ ابو رملہ مجہول ہے؛ ہاں اس حدیث کا ایک دوسرا طریق بھی ہے جس سے اس سند کو تقویت ←

"ہر گھر والوں پر ہر سال ایک جانور کی قربانی ہے۔"

انھیں احادیث کی بنا پر جمہور اہل علم کے نزدیک سارے گھر والوں کی طرف سے صرف ایک قربانی ہی کافی ہے۔ (بلوغ الأماني في شرح الفتح الرباني: ١٣/ ٦٦) امام شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سنت نبوی نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ایک قربانی تمام گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے، چاہے گھر والوں کی تعداد ایک سو یا اس سے بھی زیادہ ہو۔ (نیل الأوطار: ٣/ ٥/ ١٢١)

ایک جانور میں شراکت:

اگر کسی میں قربانی کے لیے مستقل ایک جانور خریدنے کی طاقت نہ ہو تو

← پہنچتی ہے۔ احمد (٥/ ٧٦) نے اس حدیث کو ایک دوسری سند سے مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ کی بجائے "حبیب بن مخنف" سے روایت کیا ہے اور یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبدالکریم بن ابی المخارق ہے اور یہ ضعیف ہے۔ ابن مخنف کو حافظ ابن حجر نے "تعجيل المنفعة" (٨٤) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کو صحبت حاصل ہے؛ مزید یہ بھی کہا ہے کہ "مسند" میں تو اسی طرح ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حبیب نے اپنے باپ "مخنف" سے بیان کی ہے۔ یہ بات ابو نعیم وغیرہ نے کہی ہے۔ قلت: "مسند احمد" میں اس حدیث کا حبیب سے مروی ہونا یہ کسی ناسخ یا راوی کی غلطی کی وجہ سے ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ احمد نے اس حدیث کو عبدالرزاق سے روایت کیا ہے اور "مصنف عبدالرزاق" (٨١٥٩) میں حبیب نے اس حدیث کو اپنے باپ مخنف بن سلیم ہی سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح طبرانی نے بھی ایک روایت میں اس حدیث کو عبدالرزاق کے طریق سے روایت کیا ہے اور اس میں بھی "مصنف عبدالرزاق" کی طرح اس حدیث کو حبیب نے اپنے باپ مخنف سے ہی روایت کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ "مسند احمد" میں اس کا حبیب سے مروی ہونا کسی راوی کے وہم یا کسی ناسخ کی غلطی کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم! حاصل کلام: اس حدیث کی دونوں سندیں ضعیف ہیں، مگر دونوں کو ملانے سے اس حدیث کو کچھ تقویت ملتی ہے۔

ایک گائے کو سات آدمی مل کر خرید لیں، وہ ان سات آدمیوں اور ان کے تمام گھر والوں کی طرف سے بھی کفایت کر جائے گی۔ گائے کے معاملے میں شراکت کا حکم منیٰ میں موجود حاجیوں کی قربانی (ہدی) اور دوسرے ممالک اور شہروں کے لوگوں کی قربانی کے اعتبار سے سب کے لیے برابر ہے کہ اس میں سات افراد منیٰ میں اور سات ہی گھروں کے تمام افراد منیٰ سے باہر شریک ہوسکتے ہیں لیکن اونٹ اگر ہدی (حج میں قربانی) کے لیے ہو تو صرف سات ہی افراد کے لیے ہوتا ہے لیکن اگر عام قربانی کے لیے ہو تو دس گھروں کے تمام افراد کے لیے کفایت کر جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم، سنن ابو داود اور ترمذی میں ارشاد نبوی ہے:

«اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ»(۱۹۱)

"گائے سات افراد کی طرف سے ہے اور اونٹ بھی سات کی طرف سے۔"

جبکہ سنن ترمذی ونسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰى، فَاشْتَرَكْنَا فِيْ الْبَقَرَةِ سَبْعَةٌ وَ فِيْ الْبَعِيْرِ عَشَرَةٌ»(۱۹۲)

"ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ عید الاضحیٰ آ گئی تو ہم ایک گائے میں سات اور ایک اونٹ میں دس شریک ہوئے۔"

---

(۱۹۱) اس حدیث کو مالک (۲/ ۴۸۶) "الضحایا" مسلم (۹/ ۶۶، ۶۷) "الحج" ابو داود (۲۸۰۹) "الاضاحی" ترمذی (۱۵۰۲،۹۰۴) "الحج والاضاحی" اور ابن ماجہ (۳۱۳۲) "الاضاحی" وغیرہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۱۹۲) اس حدیث کی تخریج نمبر (۱۸۷) میں دیکھیں

ان دونوں حدیثوں میں سے ایک میں اونٹ سات کی طرف سے جبکہ دوسری میں دس کی طرف سے مذکور ہے۔ اہل علم نے اس فرق کو یوں رفع کیا ہے کہ جس حدیث میں اونٹ بھی سات کی طرف سے ہے وہ حج کرنے والوں کی قربانی (ہدی) کے ساتھ ہے اور جس حدیث میں اونٹ دس کی طرف سے وارد ہوا ہے وہ عام قربانیوں کے بارے میں ہے۔ گائے ہدی وقربانی ہر شکل میں بالاتفاق سات کی طرف سے کفایت کرتی ہے۔

(نيل الأوطار: ٣/ ٥/ ١٢١، تحفة الأحوذي: ٣/ ٦٤٧، ٦٤٨، الفتح الرباني: ١٣/ ٨٤، ٨٧، المرعاة: ٣/ ٣٦٢)

ایام قربانی:

قربانی کے معاملے میں تو یہ گنجائش بھی موجود ہے کہ عید کے دن ۱۰/ ذوالحج تک اتفاق سے کسی کو توفیق نہ ہو سکے تو اگلے دن ۱۱/ ذوالحج کو کر لے، گیارہ کو بھی نہ ہو سکے تو ۱۲/ ذوالحج کو ہی سہی۔ یہ تین دن تو مشہور ہیں جبکہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد سے تو اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ۱۳/ ذوالحج کو بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ مسند احمد، سنن دار قطنی اور صحیح ابن حبان میں ارشادِ نبوی ہے:

« كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذِبْحٌ »(۱۹۳)

”ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحج بھی سبھی) قربانی کے دن ہیں۔“

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

”أَيَّامُ النَّحْرِ يَوْمُ الْاَضْحٰى وَ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَهٗ “(۱۹۴)

(۱۹۳) احمد (۴/ ۸۲) ابن حبان (۱۰۰۸) دار قطنی (۴/ ۲۸۴) بیہقی (۵/ ۲۳۹) (۹/ ۲۹۵) اور بزار (۱۱۲۶، ۱۲۰۶)

(۱۹۴) علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو ابن قیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“ (۲/ ۳۱۹) میں ذکر کیا ہے اور کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

''قربانی کے دن، یوم عید الاضحیٰ اور اس کے تین دن بعد بھی ہیں۔''

بعض دیگر صحابہ وتابعین وائمہ سے بھی یہی مروی ہے۔ بعض کے نزدیک قربانی کے دن صرف تین ہی ہیں مگر یہ موقف مذکورہ بالا حدیث کے خلاف ہے لیکن سوچا جائے تو یہ بھی کیا کم ہے کہ پہلے دن نہیں تو دوسرے دن، اور اگر دوسرے دن بھی نہیں تو تیسرے دن ہی سہی مگر قربانی ضرور کریں۔

صرف ۱۰/ ذوالحج (یوم النحر) کو ہی قربانی کا دن قرار دینے کا موقف سراسر غلط ہے کیونکہ ایک سے زیادہ دنوں میں قربانی کے مشروع ہونے کا ثبوت صرف احادیث میں ہی نہیں بلکہ خود قرآن کریم میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ [الحج: ٢٨]

''اور چند مقررہ دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں (حج کریں) جو اس نے انھیں بخشے ہیں۔''

اس آیت میں ﴿اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ﴾ دونوں ہی جمع کے صیغے ہیں۔ ''ایام'' بھی اور ''معلومات'' بھی، لہٰذا صرف یوم نحر (۱۰/ ذوالحجہ) ہی کو قربانی کا دن قرار دینا اور اگلے دنوں کا انکار کرنا اس نص قرآنی کے خلاف ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کے بقول اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ﴿اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ﴾ سے مراد ایام قربانی ہی ہیں۔

(الجامع لأحكام القرآن المعروف تفسير قرطبي: ٣/ ٢، ٣ طبع مصر)

قربانی کرنے والے کے لیے ہدایات

توفیق الٰہی جس کے شامل حال ہو اور وہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، پھر اس غرض سے وہ کوئی جانور خریدے یا کسی اونٹ گائے میں حصہ ڈالے تو اسے نبی اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی چند ہدایات کا بھی بطور خاص خیال رکھنا چاہیے۔

(1) بال اور ناخن نہ کاٹنا:

ان ہدایات نبویہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قربانی کا ارادہ رکھنے والا شخص جب ذوالحج کا چاند دیکھ لے یا یہ خبر عام ہو جائے کہ چاند نظر آ گیا ہے تو اس رات سے لے کر عید پڑھنے اور اپنے جانور کی قربانی کر لینے تک اپنے جسم کے کسی حصے سے کوئی بال یا ناخن نہ کاٹے کیونکہ صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں ارشادِ نبوی ہے:

((إِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَ أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَ أَظْفَارِهِ)) [۱۹۵]

"جب تم ذوالحج کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔"

[۱۹۵] اس حدیث کو مذکورین کے علاوہ دار قطنی (۴/ ۲۷۸) حاکم (۴/ ۲۲۰) بیہقی (۹/ ۲۶۶) اور احمد (۶/ ۲۸۹، ۳۰۱، ۳۱۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

صحیح مسلم اور سنن ابو داود میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

«فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَ لَا مِنْ اَظْفَارِهٖ شَيْئًا حَتّٰى يُضَحِّيَ» (۱۹۶)

''وہ اپنے جانور کو ذبح کر لینے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔''

اس موضوع پر نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کے پیش نظر حضرت سعید بن میتب، امام ربیعہ الرائے، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، داود ظاہری، امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ قربانی دینے والے کا چاند دیکھ لینے سے قربانی کر دینے تک کے دوران میں بال یا ناخن کاٹنا اگرچہ حرام تو نہیں البتہ مکروہ ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مکروہ بھی نہیں؛ مگر یہ رائے مذکورہ صحیح حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ (نيل الأوطار: ٣/ ٥/ ١١٢، ١١٣)

مذکورہ ارشاد نبوی کی رو سے مسنون یہی ہے کہ قربانی کرنے والا شخص اپنا جانور ذبح کرنے تک ان امور سے اجتناب کرے؛ اس طرح تعمیل ارشاد پر اسے ثواب ملے گا جبکہ سنن ابو داود، نسائی اور مسند احمد و دارقطنی میں مذکورہ ایک حدیث کی رُو سے اس حکم نبوی کی تعمیل پر حاصل ہونے والی برکات کا یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی شخص میں جانور خرید کر ذبح وقربانی کرنے کی طاقت نہ ہو اور وہ چاند نظر آ جانے سے لے کر قربانیوں کے وقت تک کوئی بال اور ناخن نہ کاٹے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اس کی نیت کی بنا پر قربانی کا ثواب عطا کر دیتا ہے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (بلوغ الأماني شرح الفتح الرباني: ١٣/ ٧٠) البتہ شیخ البانی نے اس کی سند پر کچھ کلام کیا ہے۔ (تحقيق المشكوة: ١/ ٤٦٦)

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی

---

(۱۹۶) دیکھیں: مسلم (۱۳/ ۱۳۹) اور ابو داود (۲۷۹۱)

نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس صرف دودھ دینے والی ایک بکری ہی ہے، کیا میں اس کی قربانی دے دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« وَ لٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَ اَظْفَارِكَ ، وَ تَقُصَّ مِنْ شَوَارِبِكَ وَ تَحْلِقَ عَانَتَكَ ، فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِيَتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ »(۱۹۷)

''نہیں بلکہ اپنے بال، ناخن، موچھیں کاٹو اور زیر ناف بال صاف کرو، یہ تمھارے لیے اللہ کے ہاں پوری قربانی کے برابر ہوگا۔''

(2) اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا:

قربانی سے متعلقہ ہدایات نبویہ میں سے دوسری بات یہ ہے کہ قربانی دینے والا خود اپنے ہاتھ سے قربانی کے جانور کو ذبح کرے تو یہی مستحب ہے، کیونکہ صحیح مسلم، ابو داود اور مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ہے:

« وَ اَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ »(۱۹۸)

''نبی اکرم ﷺ نے مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا، پھر اُسے ذبح کیا۔''

نیز صحیحین وسنن اربعہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ذبح کرتے وقت مسنون کیفیتِ ذبح کے علاوہ یہ بھی وارد ہے:

---

(۱۹۷) ابو داود (۲۷۸۹) نسائی (۷/ ۲۱۲، ۲۱۳) دار قطنی (۴/ ۲۸۲) حاکم (۴/ ۲۲۳، ۲۲۴) اور بیہقی (۹/ ۲۶۳، ۲۶۴)

(۱۹۸) مسلم (۱۳/ ۱۲۱، ۱۲۲) ابو داود (۲۷۹۲) احمد (۶/ ۷۸) اور بیہقی (۹/ ۲۶۷، ۲۷۲، ۲۸۶) نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

«وَذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ» (۱۹۹)

''آپ نے ان دونوں (جانوروں) کو اپنے دست مبارک سے ذبح کیا۔''

اس بنا پر یہ مستحب قرار دیا گیا ہے کہ قربانی دینے والا جانور کو خود ذبح کرے۔

3 عورت کا ذبیحہ:

یہ حکم صرف مردوں ہی کے لیے نہیں بلکہ عورتیں بھی اس میں شامل ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً اور مستدرک حاکم میں موصولاً مروی ہے:

«أَمَرَ مُوْسٰى بَنَاتِهِ أَنْ يُضَحِّيْنَ بِأَيْدِيْهِنَّ» (۲۰۰)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے قربانی کا جانور ذبح کریں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ایک اور روایت بھی ذکر کی ہے جس کی سند کو انھوں نے صحیح قرار دیا ہے؛ اس میں ہے:

«إِنَّ أَبَا مُوْسٰى كَانَ يَأْمُرُ بَنَاتِهِ أَنْ يَذْبَحْنَ بِأَيْدِيْهِنَّ» (۲۰۱)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے بیٹیوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنے قربانی کے جانوروں کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا کریں۔''

---

(۱۹۹) بخاری (۵۵۵۸) مسلم (۱۳/ ۱۲۰، ۱۲۱) ابو داود (۲۷۹۴) ترمذی (۱۴۹۴) نسائی (۷/ ۲۲۰، ۲۳۰، ۲۳۱) ابن ماجہ (۳۱۲۰) اسی طرح اس کو دارمی (۲/ ۷۵) ابن الجارود (۹۰۹) ابن خزیمہ (۲۸۹۵، ۲۸۹۶) اور بیہقی (۵/ ۲۳۸، ۹/ ۲۵۹، ۲۸۳، ۲۵۸) نے بھی روایت کیا ہے۔

(۲۰۰) اس کو بخاری (۱۰/ ۱۹ فتح الباری) اسی طرح بیہقی (۹/ ۲۸۳) نے بھی تعلیقاً ذکر کیا ہے جبکہ عبدالرزاق (۸۱۶۹) نے موصولاً روایت کیا ہے اور اسی طرح حاکم نے بھی، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں کہا ہے۔

(۲۰۱) دیکھیں: فتح الباری (۱۰/ ۱۹) [مؤلف]

پھر آگے چل کر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن تین سے عورت کے ذبیحہ کا جواز، امام مالک سے کراہت اور شافعیہ کے نزدیک عورت کے ترکِ ذبح کا اولی ہونا نقل کیا ہے۔ (فتح الباري: ١٠/ ١٩، و انظر الفتح الرباني: ١٣/ ٦٧)

ان فقہی آراء سے قطع نظر صرف صحابی رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی سے عورت کے ذبیحہ کے جائز ہونے کا پتہ نہیں چلتا بلکہ اس سلسلے میں تو ایک صریح حدیث بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عورت کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں "بابِ ذبیح المرأة" کے تحت وارد شدہ حدیث میں مذکور ہے کہ "ایک عورت نے پتھر کے ساتھ ایک بکری کو ذبح کیا۔" یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا:

« فَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا » (٢٠٢)

"آپ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔"

4 مزدوری میں قربانی کا گوشت نہ دینا:

مذکورہ احادیث کی بنا پر مرد و زن کے لیے مستحب تو یہی ہے کہ وہ اپنے قربانی کے جانور خود ذبح کریں اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے ہاتھوں ذبح کروالیتا ہے تو یہ بھی بلا اختلاف جائز ہے لیکن قربانی کا جانور ذبح ہوتے وقت وہ خود بھی موجود رہے اور ذبح کرانے یا اس کا گوشت بنانے والے کو اپنی جیب سے مزدوری دے۔ اس سلسلے میں عموماً لوگ غفلت و سستی برتتے ہیں اور جیب

(٢٠٢) اس حدیث کو ابن ماجہ (٣١٨٢) "الذبائح" اور بیہقی (١٨٢/٩) نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو بخاری (٥٥٠١، ٥٥٠٤) "الذبائح والصید" نے بھی روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بکری کے کھانے کا حکم دیا تھا۔

میں چار پیسے بچانے کی خاطر بطور اجرت گوشت ہی دے دیتے ہیں جو قطعاً صحیح نہیں کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أَمَرَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ، وَأَنْ أَتَصَدَّقَ بِلُحُوْمِهَا وَ جُلُوْدِهَا وَاَجِلَّتِهَا وَأَنْ لَا أُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا شَيْئاً»

”مجھے نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ میں آپ ﷺ کے اونٹوں کے پاس (بوقت ذبح) موجود رہوں اور ان کے گوشت، چمڑے اور پالان صدقہ کردوں اور گوشت بنانے والے کو ان چیزوں میں سے (بطور اجرت) کچھ نہ دوں۔“

آپ کا یہ ارشاد بیان کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا» (۲۰۳)

”ہم اسے اجرت اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔“

5 چمڑے اور گوشت سے کچھ نہ بیچنا:

مذکورہ بالا حدیث میں قصاب یا گوشت بنانے والے کو بطور اجرت گوشت دینے کی تو ممانعت ہے جو گوشت بیچنے کی ایک شکل ہے اور یہ ممنوع ہے، البتہ اگر اسے اجرت پوری دے دیں اور جاتے ہوئے تھوڑا سا گوشت دوسرے عام لوگوں کی طرح دے دیں تو اس میں حرج نہیں کیونکہ یہ بیچنے میں داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح گوشت کی طرح قربانی کے جانوروں کی کھالیں اور چمڑے بیچ کر قربانی

(۲۰۳) بخاری (۱۷۱۷) مسلم (۹/ ۶۴، ۶۶) اسی طرح اس کو ابو داود (۱۷۶۹) ابن ماجہ (۳۰۹۹) دارمی (۲/ ۷۴) سب نے ”کتاب الحج“ میں، ابن الجارود (۴۸۲، ۴۸۳) بیہقی (۵/ ۲۴۱، ۹/ ۲۹۴) احمد (۱/ ۷۹، ۱۲۳، ۱۳۲، ۱۴۳، ۱۵۴) اور عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند (۱/ ۱۱۲) میں روایت کیا ہے۔

دینے والوں کا ان کی قیمت کھانا بھی منع ہے جیسا کہ مسند احمد میں حدیث ہے:

«وَلَا تَبِيْعُوْا لُحُوْمَ الْهَدْيِ وَالْاَضَاحِيْ وَكُلُوْا وَ تَصَدَّقُوْا وَاسْتَمْتِعُوْا بِجُلُوْدِهَا وَلَا تَبِيْعُوْا»[۲۰۲]

''حج کے موقع پر منیٰ میں دی جانے والی اور عام قربانی کا گوشت مت بیچو بلکہ خود کھاؤ یا صدقہ کردو اور قربانی کے جانوروں کی کھالیں بھی مت بیچو (بلکہ وہ بھی صدقہ کردو یا پھر) اس سے خود فائدہ اٹھاؤ۔''

6 اجرت میں کھالیں...؟

بعض جگہوں پر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ عید کے موقع پر قربانی کی کھالیں امام مسجد کو دے دیتے ہیں حالانکہ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ امامت کا معاوضہ بن جاتی ہیں، جسے امامت کی اجرت بھی کہا جاسکتا ہے جو کھالوں کو بیچ کر ان کی قیمت کھانے والی بات ہے اور یہ مذکورہ حدیث کی رو سے منع ہے۔ ایسے لوگوں کو اور ایسے پیش امام حضرات کو اس پہلو پر غور کرنا چاہیے۔ ہاں اگر امام صاحب اس قدر غریب ہیں کہ امامت کے معاوضے کے باوجود وہ صدقہ کے مستحق ہوں تو ایسی صورت میں ایسے امام مسجد کو قربانی کی کھال دی جاسکتی ہے۔ اب پیش امام کا اپنا فرض ہے کہ وہ ذمہ داری کا ثبوت دے اور اپنی مجموعی حیثیت کا اندازہ کرکے قربانی کی کھالوں کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ اپنے ایمان اور ضمیر سے لے۔

7 نماز عید کے بعد قربانی کرنا:

نماز عید سے پہلے قربانی کے جانور کو ذبح نہیں کرنا چاہیے اور اگر کسی نے قربانی کا جانور نماز عید سے قبل ہی ذبح کردیا تو وہ کھانے کا گوشت تو بن جائے گا مگر قربانی کے طور پر وہ قبول نہیں ہوگا کیونکہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ نبی

[۲۰۲] اس حدیث کو احمد (۴/ ۱۵) نے قتادۃ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اکرم ﷺ نے نماز عید سے فارغ ہوکر ابھی سلام پھیرا ہی تھا تو آپ ﷺ نے گوشت دیکھا جو آپ ﷺ کے نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کیے گئے جانور کا تھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ - اَوْ نُصَلِّيَ - فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى »⑳⑤

''جس نے نماز عید پڑھنے یا ہمارے نماز عید پڑھنے سے پہلے ہی قربانی کا جانور ذبح کردیا اسے چاہیے کہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے۔''

نیز صحیح بخاری ومسلم میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کردیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ... مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَإِنَّمَا ذَبَحَ لِنَفْسِهٖ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ، وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ »⑳⑥

''یہ بکری تو محض گوشت ہے (قربانی نہیں) جس نے نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کردیا اس نے صرف اپنے لیے ذبح کیا اور جس نے نماز عید کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی ادا ہوئی اور اس نے مسلمانوں کے سنت وطریقہ کو پالیا۔''

---

⑳⑤ بخاری (۹۸۵، ۵۵۰۰، ۵۵۶۲) ''العيدين والذبائح والأضاحي'' مسلم (۱۳/ ۱۰۹، ۱۱) نسائی (۷/ ۲۱۴، ۲۲۴) ابن ماجہ (۳۱۵۲) سب نے ''الاضاحی'' میں، بیہقی (۹/ ۲۶۲، ۲۷۷) طیالسی (۱/ ۲۳۰) احمد (۴/ ۳۲۱، ۳۱۳) ابویعلی (۱۵۳۲) اور حمیدی (۷۷۵) نے جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

⑳⑥ ان الفاظ سے اس حدیث کو بخاری (۵۵۵۶) مسلم (۱۳/ ۱۱۲) ابو داود (۲۸۰۱ مختصراً) بیہقی (۹/ ۲۶۹، ۲۷۶، ۲۷۷) اور بغوی (۱۱۱۳) نے مطرف کے طریق سے اور انھوں نے شعبی کے واسطے سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نحر اور ذبح کا مسنون طریقہ

پیغمبر اسلام، امام الانبیاء و المرسلین حضرت محمد مصطفی ﷺ پوری کائنات کی ہر چیز کے لیے سراپا رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ اس بات کی شہادت کسی ہما شما سے نہیں بلکہ خود خالقِ کائنات، مالکِ ارض و سما کی طرف سے اس کی آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں موجود ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنبياء: ١٠٧]

”اے نبی! ہم نے آپ کو تمام جہاں (کائنات کی ہر چیز) کے لیے نبی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

مومن و مسلمان کے لیے تو آپ ﷺ دنیا و آخرت ہر دو جہاں میں رحمت تھے اور ہونگے، اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ آپ تو کفار کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ترجمانِ قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ آپ کفار کے لیے کیسے رحمت تھے؟! انھوں نے فرمایا: کفار کے لیے آپ صرف دنیا کی حد تک ہی رحمت تھے، وہ زمین میں دھنسائے جانے اور آسمان سے پتھر برسائے جانے سے بچ گئے جبکہ پہلی امتوں کے منکرینِ حق پر یہ عذاب بھی نازل ہوئے۔ (تفسير ابن كثير، اردو: ٣/ ٤٥٣)

جو ذات گرامی کفار تک کے لیے بھی رحمت تھی اس سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بے زبان حلال جانوروں کے لیے رحمت نہ ہوگی؟ کتبِ حدیث و سیرت

میں متعدد ایسے واقعات مذکور ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ صرف انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ حیوانوں اور پرندوں کے لیے بھی سراپا رحمت تھے، اور حد تو یہ ہے کہ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود ہو اس کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے رحم و احسان کی تعلیم فرمائی ہے۔ آپ کی انھیں تعلیمات کی روشنی میں قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کی مسنون کیفیت وطریقہ کچھ یوں ہے۔

جانوروں کی نظروں سے دور چھری تیز کرنا:

جانور کو ذبح کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے جانور کی نظروں سے دور، جہاں سے وہ دیکھ نہ سکتا ہو، اپنی چھری کو اچھی طرح سے تیز کرلے۔ جانور کی نظروں سے دور اور اوجھل اس لیے کہ ذبح ہونے سے قبل ہی چھری تیز ہوتے دیکھ کر اسے تکلیف نہ پہنچے، اور چھری کو تیز اس لیے کرلے تاکہ جلد ذبح ہوجانے کی شکل میں جانور کو دیر تک چھری کے کاٹنے کی تکلیف نہ ہوتی رہے۔ اس سلسلے میں معجم طبرانی کبیر و اوسط اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو بکری کو لٹا کر اس کی گردن پر اپنے پاؤں رکھے چھری تیز کررہا تھا، اور بکری یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی؛ اس پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَفَلَا قَبْلَ هٰذَا؟ اَتُرِيْدُ اَنْ تُمِيْتَهَا مَوْتَتَيْنِ؟»[407]

”کیا یہ کام پہلے نہیں ہوسکتا تھا؟ کیا تو اس بیچاری کی دو مرتبہ جان لینا چاہتا ہے؟“

[407] اس کو طبرانی نے ”المعجم الکبیر“ (۱۱/۳۳۳) اور ”الاوسط“ میں، جیسا کہ ”مجمع الزوائد“ (۴/۳۶) میں ہے اور بیہقی (۹/۲۸۰) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

یہی واقعہ مستدرک حاکم میں بھی مذکور ہے۔ اس میں ارشادِ نبوی ﷺ کے الفاظ ہیں:

«أَتُرِيْدُ أَنْ تُمِيْتَهَا؟ هَلاَّ حَدَدْتَ شَفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا؟» (۲۰۸)

''کیا تو اسے کئی موتیں مار کر اس کی جان نکالنا چاہتا ہے؟ تم نے اسے لٹانے سے پہلے ہی چھری تیز کیوں نہ کر لی؟''

ایسے ہی صحیح مسلم، سنن اربعہ، سنن بیہقی، مسند دارمی، مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ» (۲۰۹)

''اللہ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کو فرض قرار دیا ہے لہٰذا اگر تم کسی کو (قصاص میں) قتل کرو تو بھی اسے اچھے طریقے سے قتل کرو اور اگر کسی جانور کو ذبح کرنا ہو تو اسے بھی اچھے طریقے سے ذبح کرو، اور تمھیں چاہیے کہ اپنی چھری کو خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو (جلد ذبح کرکے) آرام پہنچاؤ۔''

(۲۰۸) اس کو حاکم (۴/ ۲۳۱، ۲۳۳) نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور یہ صحیح حدیث ہی ہے۔ مصنف عبدالرزاق (۸۶۰۸) میں اس حدیث کو معمر نے عکرمۃ سے مرسلاً روایت کیا ہے مگر ان کے مرسل بیان کرنے سے اس حدیث کی صحت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ طبرانی اور بیہقی میں عبدالرحیم بن سلیمان اور مستدرک حاکم میں حماد بن زید نے اس کو موصول بیان کیا ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں، لہٰذا ان کی روایت مقدم ہوگی۔

(۲۰۹) مذکورین کے علاوہ اس حدیث کو ابن الجارود (۸۳۹، ۸۹۹) عبدالرزاق (۸۶۰۳۔ ۸۶۰۴) اور طیالسی (۱/ ۳۴۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

ان ارشادات و تعلیمات کے ساتھ ساتھ خود آپ ﷺ کا عمل مبارک بھی یہی تھا، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جب قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا تو مجھے حکم دیا:

«يَا عَائِشَةُ ' هَلُمِّي الْمُدْيَةَ» ''اے عائشہ چھری لاؤ۔'' پھر فرمایا:

«اِشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ» (۲۱۰) ''اسے پتھر پر خوب تیز کرو۔''

وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسے ہی کیا، پھر آپ ﷺ نے وہ چھری لی، مینڈھا پکڑ کر لٹا لیا اور اسے ذبح کیا۔

نحر کرنا:

کسی جانور کو ذبح کرنے کے نبی اکرم ﷺ نے دو طریقے بتائے ہیں۔ ان میں سے ایک ''نحر'' کرنا ہے، جو اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ اگر اونٹ کی قربانی دینی ہو تو اسے نحر کرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اسے قبلہ رو کھڑا کرکے اس کی اگلی بائیں ٹانگ اور گھٹنے کو باہم باندھ دیا جائے اور اسے تین ٹانگوں پر کھڑا ہونے کی حالت میں نحر کیا جائے۔ نحر یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ ہیئت و صورت میں اونٹ کو کھڑا کرکے تکبیر پڑھ کر اس کے سینے اور گردن کی جڑ کے درمیان والی گڑھا نما جگہ میں نیزہ یا کوئی تیز دھار آلہ مارا جائے جس سے اس کی رگِ جان کٹ جائے۔

ذبح کرنا:

ذبح کرنے کا طریقہ تو معلوم و معروف ہے کہ گردن کی بالائی اور جبڑوں کے درمیان حلق میں پائی جانے والی رگیں کاٹی جاتی ہیں۔ دیگر کتب کے علاوہ فقہ حنفی کی کتب حاشیہ ابن عابدین، تکملۃ البحر اور البدائع والصنائع وغیرہ میں بھی

---

(۲۱۰) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٦٧)

ذبح ونحر کا فرق اور طریقہ بالتفصیل مذکور ہے۔
(دیکھیں: المرعاة: ۷/ ۲۷، ۲۸، الفتح الرباني و شرحه ۱۳/ ۵۵ تا ۵۷، ترجمۂ قرآن از مولانا مودودی، سورة الحج، حاشیه: ۹)

گائے یا بھینس کو ذبح یا نحر؟

جمہور اہل علم کے نزدیک گائے اور بھینس کو ذبح کرنا ہی مستحب ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ [البقرة: ٦٧]

''اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ گائے کو ذبح کرو۔''

اس ارشاد میں چونکہ گائے کی نسبت ذبح کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لیے یہی مستحب ہے، البتہ اسے نحر کرنا بھی جائز ہے بلکہ علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ نے مشکوۃ کی شرح المرعاۃ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی وغیرہم رحمہم اللہ اور اکثر اہل علم کے نزدیک نحر والے جانوروں کو ذبح کر لینا اور ذبح والے جانوروں کو نحر کر لینا بھی جائز ہے جبکہ حنابلہ کے نزدیک یہ صورت صرف ضرورت و مجبوری کی شکل ہی میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ (المرعاة: ۷/ ۲۸)

جانور کو قبلہ رو کر لینا:

نحر و ذبح کے وقت جانور کو قبلہ رو کر لینا مسنون ہے۔ اس بات کا پتہ صحیح بخاری، سنن ابو داود، موطا امام مالک اور سنن بیہقی میں مذکور ایک حدیث سے چلتا ہے، جس میں مذکور ہے:

«وَوَجَّهَهَا قِبَلَ الْقِبْلَةِ» (۲۱) ''اور جانور کو قبلہ رو کھڑا کیا۔''

(۲۱) بخاری (۳/۵۴۲-الفتح) میں نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رو کرلیا کرتے تھے۔ بخاری میں یہ اثر تعلیقاً مروی ہے جبکہ اس کو مالک (۱/۳۷۹) اور ←

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جانور کو قبلہ رو کر کے ذبح ونحر کرنے کو مستحب سمجھتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کسی جانور کو غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے ذبح کیا جاتا تو وہ اس کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔(۲۱۲)

کھڑے اونٹ کو نحر کرنا:

اونٹ کا اگلا بایاں گھٹنا باندھ کر کھڑا کر کے نحر کرنے کا ثبوت قرآن کریم اور صحیح بخاری ومسلم میں مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ﴾ [الحج: ٣٦]

''تم ان پر کھڑے ہونے کی حالت ہی میں اللہ کا نام لو۔''

ان الفاظ کا ترجمہ وتفسیر بیان کرتے ہوئے امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول تعلیقاً اور سعید بن منصور وعبد بن حمید نے اسے موصولاً بیان کیا ہے کہ ﴿صواف﴾ کا معنی ''قیاماً'' یعنی کھڑا کرنا ہے۔(۲۱۳)

اس طرح مذکورہ آیت کا معنی یہ ہوا کہ انھیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، جسے تکبیر پڑھنا کہا جاتا ہے، اور یہی بوقتِ ذبح ونحر ''بسم اللہ و اللّٰہ أکبر'' کہنا ہے۔ مذکورہ بالا آیت ہی میں آگے یہ بھی ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ﴾ [الحج: ٣٦]

← بیہقی نے موصولاً روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ مرفوع روایت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھیں: ابو داود (۲۷۹۵) ابن ماجہ (۳۱۲۱)

(۲۱۲) مصنف عبدالرزاق (۸۵۸۵) بإسناد صحيح على شرطهما.

(۲۱۳) دیکھیں: نيل الأوطار ومنتقى الأخبار (٣/ ٥/ ١٢٣) [مؤلف]

"اور جب ان کے پہلو زمین پر لگ جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو قناعت کیے بیٹھے ہیں اور ان کو بھی جو حاجت پیش کریں۔"

صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جس نے نحر کرنے کے لیے اونٹ کو بٹھایا ہوا تھا تو اسے فرمایا:

" اِبْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةُ مُحَمَّدٍ ﷺ "(٢١٤)

"اس کا گھٹنا باندھ کر اسے کھڑا کرو کہ یہی سنتِ محمد ﷺ ہے۔"

نیز سنن ابو داود و بیہقی میں ہے:

« إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَ أَصْحَابَهُ كَانُوْا يَنْحَرُوْنَ الْبُدْنَةَ مَعْقُوْلَةَ الْيُسْرٰى قَائِمَةً عَلٰى مَا بَقِيَ مِنْ قَوَائِمِهَا »(٢١٥)

"نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ قربانی کے اونٹوں کا بایاں گھٹنا باندھ کر اسے باقی ٹانگوں پر کھڑا کر کے نحر کیا کرتے تھے۔"

اس حدیث کو ابو البرکات ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منتقی الاخبار میں مرسل قرار دیا ہے لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ نے ان کی تردید کی ہے اور اپنی تائید میں حافظ ابن حجر

(٢١٤) بخاری (١٧١٣) مسلم (٩/ ٦٩) اسی طرح اس کو ابو داود (١٧٦٨) دارمی (٢/ ٦٦١) سب نے "کتاب الحج" میں، ابن خزیمہ (٢٨٣٩) اور بیہقی (٥/ ٢٣٧) نے روایت کیا ہے۔ کچھ لفظی فرق سے اس کو طیالسی (١/ ٣٤١) اور ابن ابی شیبہ (٤/ ٨٣، ٨٤) نے بھی روایت کیا ہے۔

(٢١٥) ابو داود (١٧٦٧) بیہقی (٥/ ٢٣٧، ٢٣٨) یہ حدیث موصولا اور مرسلا مروی ہے اور مرسل کی سند حسن درجہ کی ہے۔

عسقلانی اور امام منذری رحمہ اللہ کا سکوت ذکر کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کی سند کے تمام رواۃ صحیح بخاری کے رواۃ ہیں۔ (نیل الأوطار: ۳/ ۵/ ۱۲۳)
نیز شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (مناسك الحج والعمرة، ص: ۳۵)

جانور کو ذبح کرنے کی کیفیت:

ذبح کیے جانے والے جانوروں کو سنن ابو داود و بیہقی کی ایک مرفوع حدیث کی رو سے (۲۱۶) قبلہ رو لٹا لیں اور اس کے اوپر والے دائیں پہلو پر اپنا پاؤں رکھ لیں۔ بکرے یا مینڈھے کو لٹانے کا ثبوت صحیح مسلم، سنن ابو داود اور مسند احمد میں مذکور نبی اکرم ﷺ کے اپنے فعل سے ملتا ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے:

« وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ » (۲۱۷)

”آپ ﷺ نے مینڈھے کو پکڑ کر لٹا لیا اور پھر اُسے ذبح کیا۔“

اس کے اوپر دائیں پہلو پر پاؤں رکھنے کا ذکر صحیحین اور سنن اربعہ میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو دو مینڈھے قربانی کے لیے ذبح کرتے دیکھا تو اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

« فَرَأَيْتُهُ وَاضِعًا قَدَمَهُ عَلٰى صِفَاحِهِمَا » (۲۱۸)

”میں نے آپ ﷺ کو اپنا قدم مبارک ان کے پہلو پر رکھے ہوئے دیکھا۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جانور کو بائیں پہلو پر لٹایا جائے اور اس کے اوپر والے دائیں پہلو پر

---

(۲۱۶) دیکھیں: مناسك الحج والعمرة (ص: ۳٤) [مؤلف]
(۲۱۷) تخریج کے لیے دیکھیں: نمبر (۱۹۸)
(۲۱۸) اس کی تخریج کے لیے دیکھیں: نمبر (۲۲۷)

پاؤں رکھا جائے تاکہ ذبح کرنے والے کے لیے دائیں ہاتھ میں چھری اور بائیں ہاتھ سے جانور کا سر پکڑنے میں آسانی رہے۔ (فتح الباري: ١٠/ ١٨)

تکبیر:

نحر یا ذبح کرتے وقت چھری پھیرنے سے پہلے تکبیر پڑھنا یعنی "بسم اللّٰه واللّٰه أكبر" کہنا نہیں بھولنا چاہیے کیونکہ صحیحین اور سنن اربعہ والی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے:

« وَيَقُوْلُ: بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ »(٣١٩)

"آپ (بوقت ذبح) "بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ" کہتے تھے۔"

ذبح اور نحر کے بارے میں اب تک جتنے بھی مسائل واحکام گزرے ہیں ان میں قربانی اور غیر قربانی ہر موقع کے لیے کوئی فرق نہیں ہے بلکہ عام حالات میں بھی اگر گوشت بنانے کے لیے جانور ذبح کرنا ہو تو اس کا بھی یہی مسنون طریقہ ہے۔

قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت ذکر ودعا:

خاص قربانی کے جانور کو ذبح ونحر کرتے وقت اتنا فرق ہے کہ یہ خالص رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر اور اجر وثواب کے لیے کیے جاتے ہیں، اس لیے سنن ابو داود، ابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد میں مذکور ایک متکلم فیہ روایت کے مطابق مستحب یہ ہے کہ سورۂ انعام کی یہ آیات ذبح کرنے سے پہلے تلاوت کی جائیں:(٣٢٠)

(٣١٩) "بسم اللّٰه واللّٰه أكبر" ان کلمات کا اس طرح صراحت سے ذکر مسلم (١٣/ ١٢١) بیہقی (٩/ ٢٨٥) اور "شرح السنۃ" (١١١٩) میں ہے بخاری وغیرہ میں "سَمّٰی و کَبَّرَ" کے الفاظ ہیں۔ دیکھیں: بخاری (٥٥٥٨) مسلم (١٣/ ١٢٠) ابو داود (٢٧٩٤)

(٣٢٠) اس حدیث کو ابو داود (٢٧٩٥) ابن ماجہ (٣١٢١) دارمی (٢/ ٧٥، ٧٦) ابن خزیمہ (٢٨٩٩) بیہقی (٩/ ٢٨٧) اور احمد (٣/ ٣٧٥) نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ [الأنعام: ٧٩]

’’میں نے اپنا منہ اس کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور میں مشرک نہیں ہوں۔‘‘

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

[الأنعام: ١٦٢، ١٦٣]

’’میری نماز و قربانی (ہر عبادت) اور میرا مرنا و جینا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے اس کا تابعدار ہوں۔‘‘

ان آیات کی تلاوت مستحب ہے لیکن اس کی دلیل متکلم فیہ اور ضعیف ہے، لہٰذا ان آیات کی تلاوت کر لے تو ٹھیک ہے اور نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

اور تکبیر پڑھتے وقت ’’بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ‘‘ کے ساتھ ہی قربانی کے جانور کو ذبح یا نحر کرتے ہوئے سنن ابو داود، دارمی اور بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی رو سے یہ الفاظ کہنا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

« اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا مِنْكَ وَلَكَ » (٢٢١)

’’اے اللہ! یہ تیری توفیق سے اور تیری ہی رضا کے لیے ہے۔‘‘

ایسے ہی صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت یہ فرمایا:

(٢٢١) سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٧٩٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣١٢١)

« اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ » (۳۳۲)

”اے اللہ! محمد ﷺ و آل محمد ﷺ اور امت محمد ﷺ کی طرف سے قبول فرما۔“

لہٰذا ہر قربانی دینے والے کے لیے مسنون ہے کہ وہ « بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا مِنْكَ وَلَكَ » کے بعد ہی ”اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا“ کہہ لے۔

قربانی کے جانور:

قربانی کے لیے کس کس جانور کو ذبح کرنا جائز ہے؟ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ حلال ہو جسے قرآنی الفاظ میں ﴿بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ کہا گیا ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی پہلی آیت میں ہے:

﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ [المائدة: ١]

”تمھارے لیے مویشی کی قسم کے سب جانور حلال کر دیے گئے ہیں۔“

نیز سورۂ حج میں ہے:

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ [الحج: ٢٨]

”اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں۔“

اور سورۂ حج ہی میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ [الحج: ٣٤]

---

(۳۳۲) تخریج کے لیے نمبر (۱۹۸) دیکھیں۔

"ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تا کہ (اس امت کے لوگ) ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں۔"

کتب تفسیر، کتب شروحِ حدیث اور کتبِ فقہ میں ان جانوروں کی تفصیلات دی گئی ہیں کہ ان میں اونٹ، اونٹنی، بیل، گائے، بکرا، بکری، مینڈھا، بھیڑ (اور دنبہ) ہیں۔ ان جانوروں کی قربانی کے جواز پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کیونکہ سورۂ انعام میں ان سب کا ذکر حلال جانوروں کے ضمن میں کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام: ١٤٣]

"یہ آٹھ نر و مادہ ہیں، دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے۔"

پھر اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام: ١٤٤]

"اور دو اونٹ کی قسم سے اور دو گائے کی قسم سے۔"

بھینس یا بھینسے کی قربانی:

ان کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ عرب اور خصوصاً حجاز مقدس میں بھینس پائی ہی نہیں جاتی تھی لہٰذا قرآن و سنت میں اس کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ علامہ دمیری نے "حیاة الحیوان" (۱/۱۸۳) میں، ابن منظور نے "لسان العرب" (۲/۴۳) میں اور خوارزمی نے "المغرب في ترتيب المعرب" (ص:۸۹، بیروت) میں بھینس کو گائے کی جنس سے قرار دیا ہے۔ نیز بعض ائمہ ومحدثین مثلاً امام مالک نے موطا میں بھینس کو زکوۃ ادا کرنے کے معاملے میں گائے کی صنف میں قرار دیا ہے، اور

فقہ حنفی کی معروف کتاب ''ہدایہ'' (۲/ ۴۳۳) میں قربانی کے معاملے میں بھی بھینس کو گائے ہی کی طرح جائز قرار دیا گیا ہے۔

علامہ مناوی نے کنوز الدقائق میں الفردوس دیلمی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے:

''اَلْجَامُوْسُ فِي الْأُضْحِيَةِ عَنْ سَبْعَةٍ'' (۲۲۳)

''بھینس کی قربانی سات افراد اور ان کے اہل خانہ کی طرف سے صحیح ہے۔''

لیکن کنز العمال (۱/ ۳) کے مقدمے میں جن چار کتابوں کی روایتوں کو بحوالہ امام سیوطی علی العموم ضعیف کہا گیا ہے، یہ الفردوس دیلمی بھی انھیں میں سے ایک ہے، اور اہل علم و تحقیق کے نزدیک اس کتاب کی اکثر روایات ضعیف و غیر معتبر ہیں لہٰذا مذکورہ روایت کی جب تک تحقیق نہ ہو جائے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین میں سے بعض بھینس کی قربانی کو جائز نہیں سمجھتے حتی

(۲۲۳) یہ حدیث علی بن ابی طالب سے مروی ہے اور ان سے شیرویہ بن شہر دار دیلمی نے ''الفردوس'' (۲۴۷۲) میں ذکر کیا ہے۔ دیلمی نے اس کتاب میں احادیث کو بلا اسناد ذکر کیا تھا بعد میں ان کے بیٹے شہر دار بن شیرویہ نے ''مسند الفردوس'' میں اس کی بیشتر احادیث کو بالاسناد روایت کیا ہے اور اس میں کچھ احادیث کا اضافہ بھی کیا مگر اس کا تقریباً حصہ مفقود ہے، اس لیے اس حدیث کی سند کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر اس کے ضعیف ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کو ذکر کرنے میں دیلمی منفرد ہیں۔ واضح رہے کہ ''الفردوس'' کی سب روایات ضعیف اور غیر معتبر نہیں ہیں بلکہ اس میں صحیح احادیث بھی ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: المرعاۃ: ۳/ ۳۵۳، ۳۵۴، عید الاضحیٰ نمبر، ہفت روزہ الاعتصام ۱۵، ۲۲ اگست ۱۹۸۶ء، مقالہ مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب)

کہ ایک ہی مسلک کے علماء بھی اس معاملے میں ایک رائے نہیں رکھتے؛ مثلاً اہل حدیث علماء کو ہی لے لیں، فاتح قادیان شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ امرتسری (فتاوی ثنائیہ: ۱/ ۵۲۰) اور مولانا عبدالقادر عارف حصاری (الاعتصام، ۸/ نومبر ۱۹۷۴ء) بھینس کی قربانی کو جائز قرار دیتے تھے جبکہ حافظ عبداللہ محدث روپڑی (فتاوی اہل حدیث: ۲/ ۴۲۶، ۴۲۷) احتیاطاً عدم جواز کے قائل تھے۔

نامور محدث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری نے دونوں طرح کی آراء کا ذکر کرنے کے بعد فیصلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زیادہ قرینِ احتیاط تو یہی ہے کہ جن جانوروں کی قربانی عملی، قولی اور تقریری سنت سے ثابت ہے، انھیں پر اکتفا کیا جائے اور اگر کوئی شخص بھینس کی قربانی کے بارے میں فقہاء کی آراء (جواز) سے مطمئن ہو اور اس کی قربانی کرلے تو وہ بھی قابلِ ملامت نہیں۔ واللہ أعلم

قربانی کے جانوروں میں مطلوبہ اوصاف

اپنے کھانے، کسی تقریب میں مہمانوں کی تواضع کرنے یا پھر عام صدقہ و خیرات کی نظر سے غرباء و مساکین میں تقسیم کرنے کے لیے گوشت بنانا ہو تو حلال جانوروں میں سے کوئی بھی جانور خریدا جا سکتا ہے۔ اس کے خوبصورت یا بدصورت ہونے، اس کے موٹے تازے یا دبلے پتلے ہونے، اس کے طاقتور یا کمزور ہونے، اس کے سینگ کے ٹوٹے ہوئے یا صحیح سالم ہونے، اس کے کان کے کٹے ہوئے ہونے یا پورے ہونے یا پھر جانور کے اندھے، کانے، عمر رسیدہ یا کمسن ہونے جیسے امور مانع نہیں ہوتے، لیکن قربانی کے لیے جانور خریدنے کا معاملہ کچھ الگ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ اگر مینڈھا قربانی کے لیے خریدنا ہوتا تو خوب صورت اور سینگوں والا مینڈھا خرید کر قربانی کرتے تھے، جیسا کہ صحیحین اور سنن اربعہ میں حدیث ہے:

«ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ» (۲۲۳)

''نبی اکرم ﷺ نے دو خوب صورت (سیاہ و سفید رنگ کے) سینگوں والے مینڈھے قربانی کیے۔''

امام خطابی رحمہ اللہ نے ''أملح'' کے بارے میں لکھا ہے کہ ایسا جانور جس کے سفید اونی ریشوں میں سیاہ رنگ کے ڈبے بھی جابجا موجود ہوں۔
(فتح الباري: ۱۰/ ۱۰، بلوغ الأماني: ۱۳/ ۶۱)

(۲۲۳) صحيح البخاري، رقم الحديث (١٦٢٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٦٦)

صحیح مسلم، سنن ابو داود اور مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

« إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَ يَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَ يَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ »(۳۲۵)

''نبی اکرم ﷺ نے ایسا مینڈھا خرید کرلانے کا حکم فرمایا جو سینگوں والا ہو اور اس کی ٹانگیں، پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں۔''

نیز سنن ابو داود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں مروی ہے:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُضَحِّيْ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِيْلٍ يَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ، وَ يَاْكُلُ فِيْ سَوَادٍ، وَ يَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ »(۳۲۶)

''نبی اکرم ﷺ ایسا مینڈھا قربانی کیا کرتے تھے جو فربہ و موٹا تازہ ہوتا، جس کی آنکھیں، منہ اور (پاؤں کے قریب سے) ٹانگیں سیاہ اون والی ہوتیں۔''

اس کے موٹا تازہ ہونے کی صراحت مسند احمد و بزار اور سنن بیہقی میں مذکورہ ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں مذکور ہے:

« إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا ضَحّٰى اشْتَرٰى كَبْشَيْنِ سَمِيْنَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ »(۳۲۷)

---

(۳۲۵) یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، اس کی تخریج صفحہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۲۶) ابو داود (۲۷۹۶) ترمذی (۱۴۹۶) نسائی (۷/ ۲۲۱)، ابن ماجہ (۳۱۲۸) اسی طرح اس کو حاکم (۴/ ۲۲۸) بیہقی (۹/ ۲۷۳) بغوی (۱۱۲۰) اور ابو نعیم نے بھی "حلية الأولياء" (۳/ ۲۰۵) میں روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے، اس کو ترمذی، حاکم، بغوی اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

(۳۲۷) اس حدیث کو احمد (۶/ ۸، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳) بزار (۱۲۰۸) بیہقی (۹/ ۳۸) اسی طرح طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' (۴/ ۱۷۷) ابن حبان نے "المجروحين" (۲/ ۴) ←

''نبی اکرم ﷺ جب قربانی دیتے تو موٹے تازے سینگوں والے اور سیاہ وسفید رنگ والے دو مینڈھے خرید ا کرتے تھے۔''

جبکہ سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

« اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یُّضَحِّيَ اشْتَرٰی کَبْشَیْنِ عَظِیْمَیْنِ » (۲۲۸)

''نبی اکرم ﷺ جب قربانی دینے کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے بڑے مینڈھے خرید ا کرتے تھے۔''

ایسے ہی سنن بیہقی اور مسند ابویعلی میں ''عظیمین'' کا لفظ موجود ہے۔ (۲۲۹)

← میں ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (۴/ ۲۴، ۲۵) میں اور علامہ شوکانی نے بھی الدراری المضیۃ (۲/ ۱۸۴) میں اس کو حسن کہا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل ہے: علامہ ذہبی نے ''میزان'' (۲/ ۴۸۵) میں کہا ہے کہ اس کی حدیث حسن حدیث کے درجہ میں ہے اور ''المغنی'' (۱/ ۳۵۴) میں ان کو ''حسن الحدیث'' کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں ان کو ''صدوق في حدیثہ لین'' کہا ہے۔

(۲۲۸) اس حدیث کو ابن ماجہ (۳۱۲۲) احمد (۶/ ۱۳۶، ۲۲۰، ۲۲۵) حاکم (۴/ ۲۲۷، ۲۲۸) طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' (۴/ ۱۷۷) میں اور بیہقی (۹/ ۲۶۷، ۲۶۸) نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بھی عبداللہ بن محمد بن عقیل ہیں لہٰذا یہ سند بھی حسن درجہ کی ہے بوصیری نے بھی ''مصباح الزجاجہ'' (۱۰۸۴) میں اس سند کو حسن ہی کہا ہے اور ابن حزم نے ''المحلی'' (۷/ ۳۸۱) میں کہا ہے ''فہذا أثر صحیح عندہم'' یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔

(۲۲۹) بیہقی (۹/ ۲۶۸) ابویعلی (۱۷۹۲) اسی طرح طحاوی (۴/ ۱۷۷) نے بھی اس کو روایت کیا ہے، یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے ہے اور اس حدیث کی سند بھی نمبر (۵۵) میں مذکور راوی کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔

مذکورہ احادیث میں وارد ہونے والے اوصاف وصفات کو ذرا کسی جانور میں یکجا کر کے اسے تصور میں لائیں اور دیکھیں کہ وہ کتنا خوبصورت لگتا ہے؟!

افضل قربانی:

سنن نسائی میں مذکور ہے:

«وَ قَدْ كَانَ إِذَا لَمْ يَنْحَرْ يَذْبَحُ بِالْمُصَلّٰى»(۱۳۰)

”جب کبھی آپ ﷺ کو اونٹ نہ ملتا تو آپ ﷺ کوئی دوسرا جانور ذبح کرتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عموماً اونٹ کی قربانی دیا کرتے تھے اور اسی کی کوشش کرتے، اگر وہ نہ ملتا تو پھر کوئی دوسرا جانور قربانی کے لیے ذبح کرتے تھے۔

اس حدیث اور صحیحین ومسند احمد کی بعض دیگر احادیث کے پیش نظر امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد اور داود رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی کے لیے سب سے افضل اونٹ، بھیڑ، گائے، پھر مینڈھا (یا دنبہ) اور پھر بکرے کا درجہ ہے۔
(دیکھیں: بلوغ الأماني: ۱۳/ ٦٦، ٦٧، ٦/ ٥٧)

قربانی کے جانور کو پالنا:

قربانی کا جانور خریدتے ہی یا دو ایک دن یا اسی دن خرید کر بھی قربان کیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر اسے کچھ مدت پہلے خرید کر اسے اچھی طرح کھلا پلا کر فربہ کیا جا سکے اور خوب پال کر قربانی کریں تو یہ زیادہ کار ثواب ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طرز عمل تھا، جیسا کہ صحیح بخاری شریف کے ایک ترجمۃ الباب میں حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

---

(۱۳۰) سنن نسائی (۷/ ۲۱۵) عن ابن عمر رضی اللہ عنهما.

”كُنَّا نُسَمِّنُ الْأُضْحِيَةَ بِالْمَدِينَةِ، وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ يُسَمِّنُونَ“ (۲۳۱)

”ہم مدینہ طیبہ میں قربانی کے جانوروں کو پال کر خوب موٹا تازہ کیا کرتے تھے اور دیگر مسلمان بھی جانوروں کو خوب پالتے اور فربہ کرتے تھے۔“

یہ تو سب ایسی صفات تھیں جو قربانی کے جانوروں میں مطلوب ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محبوب یہی تھا کہ ان صفات کا مالک جانور ہی قربانی کے لیے خریدیں، لہٰذا سنت نبویہ پر عمل کرنے اور تعامل صحابہ کو اپنانے کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی حد تک کوشش کریں کہ ایسا ہی جانور قربانی کے لیے خریدیں۔

بصورت دیگر اگر کوئی جانور ان صفات میں سے بعض سے خالی ہو، مثلاً موٹا تازہ تو ہے مگر سینگوں والا نہیں یا موٹا وفربہ بھی ہے اور سینگوں والا بھی ہے مگر اس کی ٹانگوں، آنکھوں، منہ اور پیٹ کی اون کالے رنگ کی نہیں، سفید اون میں سیاہ ڈبے نہیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ان صفات سے خالی جانور بھی قربانی کرنا جائز ہے۔

ہاں! اگر یہ صفات نہ ہوں تو کم از کم اس میں وہ عیوب و نقائص بھی ہرگز نہیں ہونے چاہییں جن کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں توجہ دلائی ہے۔

---

(۲۳۱) صحيح البخاري (٥/ ٢١١١)

قربانی والے جانور
کے
عیوب و نقائص

کانوں اور آنکھوں کے عیوب:

وہ عیوب و نقائص جو قربانی والے جانوروں میں نہیں ہونے چاہییں، ان میں سے کانوں اور آنکھوں میں پائے جانے والے عیوب کو بطورِ خاص دیکھ لینے کا حکم ہے؟ چنانچہ سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد اور سنن دارمی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، اور مسند بزار و معجم طبرانی اوسط میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ"(۲۳۲)

"نبی اکرم ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم (قربانی کا جانور خریدتے وقت) اس کی آنکھوں اور کانوں کی اچھی طرح پڑتال کر لیا کریں۔" (کہ ان میں کوئی عیب نہ ہو)

(۲۳۲) حدیثِ علی رضی اللہ عنہ کو مذکورین کے علاوہ ابن خزیمہ (۲۹۱۴، ۲۹۱۵) طحاوی نے شرح معانی الآثار (۴/ ۱۶۹، ۱۷۰) میں، حاکم (۱/ ۴۶۸، ۴/ ۲۲۵) بیہقی (۹/ ۲۷۵) طیالسی (۱/ ۲۲۹) ابویعلی (۳۳۳) اور عبداللہ بن احمد نے بھی "زوائد المسند" (۱/ ۱۳۲) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تین طرق سے مروی ہے اور اپنے طرق ←

اندھا، کانا، بیمار، لاغر:

سنن اربعہ، مسند احمد، موطا امام مالک، صحیح ابن حبان اور سنن بیہقی میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ مَا ذَا يُتَّقىٰ مِنَ الضَّحَايَا ؟ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ: اَرْبَعًا: اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا ، وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، وَ الْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَ الْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ »(۳۳)

''نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ قربانی والے جانوروں میں کن عیوب سے بچنا ضروری ہے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک (کی انگلیوں) سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: چار عیوب سے، لنگڑا کہ جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، کانا کہ جس کا کانا پن ظاہر ہو، بیمار کہ جس کی بیماری نمایاں ہو اور لاغر کمزور کہ جس کے جسم میں چربی اور ہڈی میں گودا نہ رہا ہو۔''

کٹے ہوئے کان، ٹوٹے ہوئے سینگ والے اور اندھے جانور:

سنن اربعہ، مسند احمد، مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

← کی بنا پر صحیح حدیث ہے۔ حدیث حذیفہ کو بزار (۳/ ۱۲) اور طبرانی نے ''الاوسط'' میں (جیسا کہ ''مجمع الزوائد'' (۴/ ۲۲) میں ہے) روایت کیا ہے۔

(۳۳) اس حدیث کو مذکورین کے علاوہ دارمی (۲/ ۷۶، ۷۷) ابن الجارود (۴۸۱) ابن خزیمہ (۲۹۱۲) طحاوی (۴/ ۱۶۸) حاکم (۱/ ۴۶۸، ۴/ ۲۲۳) اور طیالسی (۱/ ۲۳۰) نے بھی روایت کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے، اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور نووی نے ''المجموع'' (۸/ ۳۹۹) میں اور البانی نے ''إرواء الغليل'' (۱۱۴۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

« اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ وَ أَنْ لَا نُضَحِّيَ بِمُقَابِلَةٍ وَ لَا مُدَابِرَةٍ وَ لَا شَرْقَاءَ وَ لَا خَرْقَاءَ » (۲۳۴)

''نبی اکرم ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم آنکھوں اور کانوں کو اچھی طرح دیکھ لیا کریں اور کوئی ایسا جانور قربانی کے لیے نہ لیں جس کا کان سامنے یا پیچھے کی جانب سے کٹا ہوا ہو (اور اسے لٹکتا ہی چھوڑ دیا گیا ہو) اور نہ ہی ایسا جانور جس کے کان لمبائی میں چیرے ہوئے ہوں یا جس کے کان میں گول سوراخ ہوں۔''

جبکہ سنن اربعہ و دارمی اور مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نُضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ » (۲۳۵)

''نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایسے جانور کی قربانی دینے سے منع فرمایا جس کا آدھا یا آدھے سے زیادہ سینگ ٹوٹا ہوا ہو اور کان کٹا ہوا ہو۔''

خارش زدہ اور تھن کٹا جانور:

معجم طبرانی اوسط میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

« لَا يَجُوْزُ مِنَ الْبُدْنِ الْعَوْرَاءِ وَ لَا الْعَجْفَاءِ وَ لَا الْجَرْبَاءِ وَ لَا الْمُصْطَلِمَةِ اَطْبَاءُهٗ » (۲۳۶)

''اونٹوں (وغیرہ) میں سے ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں جو کانا، کمزور لاغر ہو، خارش زدہ ہو یا جس کا تھن کٹا ہوا ہو۔''

(۲۳۴) اس حدیث کی تخریج ابھی نمبر (۲۳۲) ہی میں گزری ہے۔
(۲۳۵) اس کے لیے بھی نمبر (۲۳۲) دیکھیں۔
(۲۳۶) اس حدیث کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں علی بن عاصم بن صہیب ہے، اس میں کمزوری ہے اور کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ "مجمع الزوائد" (۲۲/۴)

متفق علیہ اور مختلف فیہ عیوب:

مذکور بالا تمام عیوب و نقائص سے قربانی کے جانوروں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ ان میں سے اندھا پن، کانا پن، لنگڑا پن، بیماری اور اس قدر لاغری کہ اس میں چربی ہی نہ رہی ہو، ان کے بارے میں بقول امام نووی رحمہ اللہ پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ ان کی قربانی دینا جائز نہیں لیکن مذکورہ بالا دوسرے عیوب کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض ان کے جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں۔

(دیکھیں: الفتح الرباني و شرحه: ۱۳/ ۲۸، المرعاة: ۳/ ۳۵۹، ۳۶۱)

خصی جانور کا حکم...؟

کسی جانور کا خصی ہونا قربانی کے لیے عیب و نقص شمار نہیں کیا گیا بلکہ کئی ایک احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے خصی جانور کی قربانی دی، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، مسند احمد، مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں مروی ہے:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَضْحَى اشْتَرَى كَبْشَيْنِ عَظِيْمَيْنِ سَمِيْنَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ»[۲۳۸]

”نبی اکرم ﷺ جب قربانی کرنا چاہتے تو دو ایسے مینڈھے خریدتے جو بڑے قدآور، موٹے، تازے، سینگوں والے، سیاہ و سفید رنگ والے اور خصی ہوتے۔“

اس حدیث کی سند کے بارے میں امام حاکم نے سکوت اختیار کیا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی کوئی جرح نہیں کی البتہ امام شوکانی نے اس پر کلام کیا ہے۔

(نیل الأوطار: ۳/ ۵/ ۱۱۹، الفتح الرباني کی شرح بلوغ الأماني ۱۳/ ۸۳)

[۲۳۸] اس حدیث کی تخریج نمبر (۲۲۷) میں دیکھیں۔

مسند احمد، مستدرک حاکم، سنن بیہقی میں حضرت ابو رافع سے اور مسند احمد میں حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی دی۔ (۴۳۸)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو شیخ البانی نے ارواء الغلیل میں صحیح قرار دیا ہے البتہ انھوں نے لفظ "موجوئین" کو شاذ یا منکر کہا ہے۔
(الارواء: ٤/ ٣٦٠)

انھیں احادیث کی بنا پر جمہور اہل علم بشمول ائمہ اربعہ کے نزدیک خصی جانور کی قربانی جائز ہے۔

حاملہ جانور کا حکم؟

خصی جانور کی طرح ہی حاملہ جانور کی قربانی بھی جائز ہے کیونکہ اس کی قربانی کے ممنوع ہونے کی کوئی صریح دلیل نہیں ملتی۔

سنن ابو داود و ترمذی میں ارشاد نبوی ہے:

«مَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ» (۴۳۹)

"جس کا حکم بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نے سکوت کیا ہو وہ معاف ہے۔"

اس حدیث کی رو سے حاملہ جانور کی قربانی جائز ہوگی اور حاملہ جانور کو قربانی کی نیت سے خرید لینے کے بعد قربانی سے پہلے ہی وہ اگر شیر دار ہو جائے تو قربانی کے دن ماں اور بچہ دونوں کو ہی ذبح کر دیا جائے، یہ ایک ہی قربانی شمار

(۴۳۸) دیکھیں صفحہ نمبر ( )

(۴۳۹) ابو داود (۳۸۰۰) "الأطعمة" میں یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور ترمذی (۱۷۲۶) "اللباس" میں سلمان رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی سند صحیح ہے اور حدیثِ سلمان کی سند ضعیف ہے مگر اس پر حدیثِ ابی الدرداء شاہد ہے جس کی سند حسن درجہ کی ہے اور یہ حدیث مسند بزار وغیرہ میں ہے۔

ہوگی، دونہیں۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تلخیص الحبیر (۴/۴/ ۱۴۶ طبع جامعہ سلفیہ) میں سنن بیہقی اور علل ابن ابی حاتم کے حوالے سے بعض آ ثار بھی ذکر کیے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو ایک اونٹنی اور اس کا بچہ لیے جارہا تھا تو انھوں نے اس سے مخاطب ہوکر فرمایا:

« لَا تَشْرَبْ مِنْ لَبَنِهَا اِلَّا مَا فَضَلَ عَنْ وَلَدِهَا »[۴۳۰]

''اس کا دودھ مت پیو، سوائے اس کے جو اس کے بچے سے فاضل بچ جائے۔''

اور مغیرہ بن حدف العیس سے مروی ہے کہ ہم رحبہ کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کہ ہمدان سے ایک آدمی آیا جو ایک گائے اور اس کا بچہ لیے جارہا تھا۔ اس نے کہا: ''میں نے یہ گائے قربانی کے لیے خریدی تھی اور بعد میں یہ شیر دار ہوگئی ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس کا دودھ مت پیو، سوائے اس کے جو اس کے بچے سے زائد بچ جائے۔'' اور ساتھ ہی فرمادیا:

« فَاِذَا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ فَانْحَرْهَا هِيَ وَ وَلَدَهَا عَنْ سَبْعَةٍ... »[۴۳۱]

''قربانی کے دن اسے اور اس کے بچے کو سات افراد کی طرف سے ذبح کرو۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسے ابن ابی حاتم نے العلل میں ذکر کیا ہے اور ابوزرعہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (التلخيص: ۲/ ٤/ ١٤٦) حاملہ جانور کی قربانی کے وقت اس کے پیٹ سے نکلنے والے بچے کی بھی ساتھ ہی قربانی کردے کیونکہ زندہ یا مردہ نکلنے کی دونوں ہی

[۴۳۰] دیکھیں: التلخيص للحافظ ابن حجر (۲/ ٤/ ١٤٦) [مؤلف]

[۴۳۱] التلخيص للحافظ (۲/ ٤/ ١٤٦) [مؤلف]

صورتوں میں مذبوح جانور کے پیٹ سے نکلنے والا بچہ حلال ہے۔ ماوردی کے بقول اس کے حلال ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے جیسا کہ حیاۃ الحیوان (۱/ ۱۶) اور اعلام الموقعین (۲/ ۳۷۱) میں مذکور ہے۔

احناف کے نزدیک بھی حاملہ (گابھن) جانور کی قربانی جائز ہے تاہم مکروہ ہے۔ ان کے نزدیک بچہ زندہ نکلے تو حلال ہے اور اگر مردہ نکلے تو پھر حلال نہیں ہے جیسا کہ دار العلوم دیوبند کے عزیز الفتاوی (۱/ ۱۹۸) میں مذکور ہے۔

(ماخوذ از ہفت روزہ الاعتصام، عید الاضحیٰ نمبر ۱۹۸۶ء)

مجدد ملت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی حاملہ جانور کی قربانی کو جائز قرار دیا ہے اور اس کے پیٹ سے نکلنے والے بچے کے بارے میں فقہی مذاہب کی تفصیل بھی ذکر کی ہے۔ (مجموعة الفتاوی: ۲۶/ ۳۰۷)

جانور خریدنے کے بعد رونما ہونے والے عیب:

کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ خریدتے وقت تو جانور ہر قسم کے عیب سے پاک تھا لیکن قربانی کا وقت آنے سے پہلے ہی اس کا سینگ ٹوٹ گیا یا کوئی اور عیب پیدا ہو گیا۔ ایسے جانور کے بارے میں کیا حکم ہے؟

اس سلسلے میں سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور سنن بیہقی میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے قربانی کے لیے ایک دنبہ خریدا، جس پر بعد میں ایک بھیڑیے نے حملہ کیا اور اس کی چکتی (چکی) کاٹ ڈالی۔ اس دنبے کے بارے میں انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ضَحِّ بِهٖ» (۳۳۳) ”اس کی قربانی کرلو۔“

(۳۳۳) ابن ماجہ (۳۱۴۶) احمد (۳/ ۳۲، ۷۸، ۸۶) بیہقی (۹/ ۲۸۹) اسی طرح اس حدیث کو طحاوی (۴/ ۱۷۰) طیالسی (۱/ ۲۲۹) اور ابن حبان نے بھی ”الثقات“ (۵/ ۳۶۶) ←

بعض اہل علم نے اس واقعہ کے پیش نظر جانور کی تعیین اور خریدنے کے بعد اس کے عیب دار ہوجانے کی شکل میں بھی اس کی قربانی جائز قرار دی ہے جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی، امام شوکانی اور امیر صنعانی رحمہ اللہ جیسے اساطین علم وتحقیق کے نزدیک اس واقعہ پر مشتمل روایت سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے۔

الغرض! اگر کوئی شخص صاحب حیثیت ہوتو اس کے لیے اس جانور کو بیچ کر اسے بدل لینا ہی افضل اور بہتر ہے؛ ہاں اگر کسی کی مالی حیثیت کمزور ہو اور وہ تبدیلی کے نقصان کو برداشت نہ کرسکتا ہوتو اس کے لیے اسی جانور کی قربانی کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ (الاعتصام، عید الاضحیٰ نمبر ۱۹۸۶)

جانور کو بدلنا:

امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ، سنن ابی داود، صحیح ابن حبان و ابن خزیمہ اور مسند احمد میں ایک روایت ہے، جس میں ایک صحابی چاہتا ہے کہ اپنا قربانی کا

← میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند جابر جعفی کی وجہ سے ضعیف ہے بلکہ بعض ائمہ نے جابر کو کذاب کہا ہے۔ مسند احمد (۳/ ۳۲) مسند ابو یعلی (۱۰۱۵) اور "المنتخب من المسند" لعبد بن حمید (۸۹۹) میں اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے مگر یہ سند بھی حجاج بن ارطاۃ اور عطیہ العوفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ بیہقی نے (۹/ ۲۸۹) بسند صحیح ابو حصین (عثمان بن عاصم) سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے قربانی کے کچھ جانور دیکھے جن میں ایک اونٹنی کالی تھی تو انھوں نے فرمایا کہ اگر یہ خریدنے کے بعد کالی ہوئی ہے تو اسے رہنے دو، اگر خریدنے سے پہلے کالی تھی تو اس کو بدل دو۔ اس طرح مصنف عبدالرزاق (۸۱۶۱) میں بسند صحیح امام زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ قربانی کا جانور خریدنے کے بعد بیمار ہوجائے یا اس کو کوئی مرض لاحق ہوجائے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

جانور بیچ کر اس کی قیمت سے کوئی دوسرا جانور (اونٹ) خرید لوں تو اسے حکم ہوا:

«لَا، اِنْحَرْهَا اِيَّاهَا» (۴۴۳) ''نہیں! اسی جانور کو ذبح کرو۔''

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی جانور قربانی کے لیے متعین کر لیا جائے تو پھر اسے بدلنا جائز نہیں۔ امام شوکانی نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔
(نیل الاوطار: ۳/ ۵/ ۱۱۴ طبع مصر)

البتہ المغنی لابن قدامہ (۱۱/ ۱۱۱)، الانصاف (۴/ ۸۹) اور المحلی لابن حزم (۷/ ۲۷۵) میں لکھا ہے کہ اگر متعین کردہ جانور سے اچھا جانور لے کر قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو اسے تبدیل کرنا جائز ہے۔ امام احمد، مالک، ابو حنیفہ، محمد، عطاء، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔

علامہ ابن حزم نے اس سلسلے میں بڑی عمدہ بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اگر یہ نذر مانی ہوئی ہو کہ فلاں جانور کی قربانی ہی دوں گا تو اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہے لیکن عام تعیین کی شکل میں متعین جانور کو اس کی نسبت افضل جانور سے بدلنے کی ممانعت نہیں ہے۔ (حوالہ بالا)

قربانی والے جانور کی عمر اور دانت:

قربانی والے جانور کی عمر کے سلسلے میں سنن اربعہ، مسند احمد، موطا امام مالک، صحیح ابن حبان اور سنن بیہقی میں مذکور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے

(۴۴۳) ''التاریخ الکبیر'' (۲/ ۲۳۰) ابو داود (۱۷۵۶) بیہقی (۵/ ۲۴۱، ۲۴۲) علامہ شوکانی نے اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان کی طرف بھی منسوب کیا ہے اس حدیث کی سند میں جہم بن الجارود ہے۔ علامہ ذہبی ''میزان'' میں کہتے ہیں: ''فیہ جہالۃ'' یعنی یہ مجہول ہے اور حافظ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں کہا ہے کہ ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کو اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اور اس سے حجت لینے کے بارے میں توقف کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ الخ

مروی حدیث میں ایک جملہ یہ بھی ہے:

«اَلْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ» (۲۳۴)

”ایسا جانور (جائز نہیں) جو اس قدر لاغر و کمزور ہو کہ اس کے جسم پر چربی اور ہڈی میں گودا نہ ہو۔“

معجم طبرانی کی روایت میں ”ولا العجفاء“ (۲۳۵) کے الفاظ ہیں کہ وہ جانور ضعیف و کمزور نہ ہو۔ ان تینوں روایات کے مذکورہ کلمات کا مجموعی مفہوم یہ بنتا ہے کہ وہ جانور قربانی کے لیے جائز نہیں جو بہت کمزور اور چربی و گودے سے خالی ہو۔ ایسا دو ہی طرح سے ہوسکتا ہے، ایک تو مسلسل بیماری سے اور دوسرا انتہائی بڑھاپے سے، لہٰذا اگر کوئی جانور بیمار نہ ہو اور نہ دوسرے عیوب ہی اس میں پائے جائیں مگر وہ انتہائی بوڑھا ہو چکا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز نہیں ہے۔

ایسے ہی وہ جانور بھی قربانی کے لیے جائز نہیں جو ابھی بہت کمسن ہو بلکہ ضروری ہے کہ اپنے سامنے والے دودھ کے دو دانت نکال چکا ہو، جسے عام طور پر ”دو دانتا“ کہا جاتا ہے؛ کیونکہ صحیح مسلم، سنن ابو داود، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ہے:

«لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ تَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذْعَةً مِنَ الضَّأْنِ» (۲۳۶)

---

(۲۳۴) اس حدیث کی تخریج نمبر (۲۳۲) میں دیکھیں۔

(۲۳۵) اس حدیث کی تخریج نمبر (۲۳۶) میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۳۶) مسلم (۱۳/ ۱۱۷) ابو داود (۲۷۹۷) نسائی (۷/ ۲۱۸) ابن ماجہ (۳۱۴۱) احمد (۳/ ۳۱۲، ۳۲۷) اسے ابن الجارود (۹۰۴) ابن خزیمہ (۲۹۱۸) بیہقی (۵/ ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۶۹) اور ابو یعلی (۲۳۲۴، ۲۳۲۳) نے بھی روایت کیا ہے۔ بعض محققین نے اس حدیث کو اس بنا پر ضعیف کہا ہے کہ اس میں ایک راوی ابو الزبیر ہے جو مدلس ہے ←

''صرف دو دانتے جانور کی ہی قربانی دو، سوائے اس کے کہ دو دانتے جانور کا حصول کسی وجہ سے مشکل ہو جائے، تب بھیڑ کا جذعہ (کھیرا مینڈھا جو ابھی دو دانتا نہ ہوا ہو) بھی قربانی کیا جا سکتا ہے۔''

''مُسِنَّہ'' یا دو دانتا:

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ قربانی کے جانور میں جہاں زیادہ سے زیادہ عمر کے لیے سال معیار نہیں بلکہ انتہائی درجہ کا بڑھاپا معیار ہے کہ جس کی بدولت اس کے جسم پر چربی اور ہڈی میں گودا نہ رہا ہو، اسی طرح ہی کم از کم عمر کے لیے بھی سال معیار نہیں بلکہ اصل معیار اس کا دو دانتا ہونا ہے۔ چاہے وہ عمر کے کسی بھی سال میں ہو جائے۔

عربی لغت کی کتابوں مثلاً لسان العرب لابن منظور، تاج العروس للزبیدی، شروح حدیث اور کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اونٹ چھٹے سال میں جا کر دو دانتا ہوتا ہے، گائے اور بکری عام ممالک میں دو سال مکمل کر کے تیسرے سال میں داخل ہوں تو دو دانتے ہوتے ہیں جبکہ برصغیر پاک و ہند وغیرہ کی آب و ہوا کا اپنا ایک اثر ہے؛ وہاں یہ جانور عموماً دوسرے سال ہی میں دو دانتے ہو جاتے ہیں۔

غرض! اصل معیار اس کا مسنہ (دو دانتا) ہو جانا ہے وہ جب بھی ہو جائے۔ یہ علامت بھی ایسی ہے کہ جس میں کسی مسلکی اور فقہی اختلاف کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ شرط صرف اونٹ گائے اور بکری کے لیے ہے جبکہ جمہور اہل علم

← اور انھوں نے اس کو روایت کرتے ہوئے جابر سے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ ''صحیح ابو عوانہ'' (۵/ ۲۲۷) میں، جیسا کہ ''تنبيه المسلم على تعدي الألباني على صحيح مسلم'' (ص: ۵۶، ۵۷) کے مؤلف نے ذکر کیا ہے۔ ابو الزبیر نے جابر سے سماع کی صراحت کی ہے۔

کے نزدیک دنبہ اور چھترا (مینڈھا) دو دانتا ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ جذعہ (کھیرا) بھی قربانی میں لگ جاتا ہے۔

جذعہ یا کھیرا:

اب رہا یہ مسئلہ کہ چھترے یا دنبے میں سے ہر ایک کے جذعہ ہونے کی شکل میں اس کا کتنی عمر والا ہونا ضروری ہے؟

اس سلسلے میں "عون المعبود شرح أبي داود" (۲/ ۵۳)، "النهاية في غريب الحديث لابن الأثير" (۱/ ۱۷۷) اور "مشارق الأنوار على الصحاح المختار للقاضي عياض" (۱/ ۱۷۹) میں لکھا ہے کہ دنبے یا چھترے میں سے "جذعہ" وہ ہوتا ہے جو اپنی عمر کا ایک سال مکمل کر چکا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو جائے۔ علمائے احناف نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ بلحاظ لغت یہی صحیح ہے کہ "جذعہ" ایک سال کی عمر والے جانور کو ہی کہتے ہیں۔ یہ بات معروف حنفی عالم مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بذل المجہود شرح ابی داود (۴/ ۷۱) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے "التعليق الممجد على موطا الامام محمد" (ص: ۲۸۱) میں لکھا ہے کہ "جذعہ" اہل لغت کے نزدیک وہ ہے جو ایک سال مکمل کر چکا ہو؛ البتہ فقہاء کی اصطلاح میں چھ ماہ کے دنبے یا چھترے کو بھی "جذعہ" کہا جاتا ہے اور احناف کے نزدیک اسے ہی ترجیح حاصل ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: نيل الأوطار: ۳/ ۵/ ۱۱۳ـ ۱۱۵، فتح الباري: ۱۰/ ۹ـ ۱۸، الفتح الرباني: ۱۳/ ۷۱ـ ۷۶، المرعاة: ۳/ ۳۵۲، ۳۵۳، الاعتصام، عیدالاضحیٰ نمبر ۱۹۸۶ء مقالہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، محشی نسائی شریف)

مذکورہ لغوی وفقہی تصریحات کے خلاصہ سے معلوم ہوا کہ زیادہ قرین احتیاط یہی ہے کہ بھیڑ، مینڈھا یا دنبہ ایک سال سے کم عمر کا ہو تو قربانی نہیں دینا چاہیے۔

البتہ احناف کے نزدیک چھ ماہ کا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ خوب موٹا تازہ ہو۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ (یہ معاملہ تو دنبے اور چھترے کا ہے ورنہ) اس بات پر پوری امت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ بکری کا جذعہ قربانی دینا جائز نہیں بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو دانتا ہو۔ (شرح الفتح الرباني: ۱۳/ ۷۵)

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عقبہ بن عامر اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کو بعض مخصوص حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بکری کا جذعہ قربانی دینے کی اجازت بخشی تھی، تو وہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا کی تصریح کے مطابق شروع اسلام کا واقعہ ہے۔ علاوہ ازیں ان واقعات میں صحیح بخاری، مسند احمد اور سنن بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا تھا:

« ضَحِّ بِهِ أَنْتَ، وَ لَا رُخْصَةَ لِأَحَدٍ فِيهَا بَعْدَكَ »[۲۱۴]

”تم ذبح کرلو، لیکن تمھارے بعد اس کی کسی دوسرے کو اجازت نہیں ہے۔“

ان الفاظِ حدیث کے پیش نظر مذکورہ واقعات عموم کی دلیل نہیں بن سکتے۔

کسی فوت شدہ کی طرف سے قربانی؟

مسائلِ قربانی کے ضمن میں ایک بات یہ بھی آتی ہے کہ اگر کسی کے والدین فوت ہو چکے ہوں یا وہ کسی دوسرے فوت شدہ عزیز کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

اس مسئلے میں اہل علم کی دو رائے ہیں۔ ایک فریق کا کہنا ہے کہ فوت شدگان کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے۔ ان کا استدلال ایک تو ان احادیث سے ہے جو صحیح مسلم، سنن ابو داود، ترمذی، دارقطنی و بیہقی اور مسند احمد میں مذکور ہیں

[۲۱۴] بلوغ الأماني شرح الفتح الرباني (۱۳/۷۳، ۷۴) [مؤلف]

کہ نبی اکرم ﷺ نے دو مینڈھے قربانی کے لیے ذبح کیے۔ ایک اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے لوگوں کی طرف سے۔ (۴۳۸)

اس میں طریقہ استدلال یہ ہے کہ امت کے لوگوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو فوت ہو چکے ہیں، لہٰذا فوت شدگان کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہوا لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے، لہٰذا آپ ﷺ کا اپنی امت کی طرف سے قربانی دینا فوت شدگان کی طرف سے قربانی کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔ (بحواله إرواء الغليل: ٤/ ٣٥٤)

فوت شدگان کی طرف سے قربانی کے جواز کی دوسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہے؛ چنانچہ سنن ابو داود و ترمذی میں حضرت حنش رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَوْصَانِي أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ» (۴۳۹)

”مجھے نبی اکرم ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں، لہٰذا میں آپ کی طرف سے بھی ایک قربانی کرتا ہوں۔“

اس روایت سے یوں استدلال کیا جاتا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی

(۴۳۸) دیکھیں: ارواء الغلیل (۴/ ۳۴۹۔۳۵۴)

(۴۳۹) ابو داود (۲۷۹۰) ترمذی (۱۴۹۵) اور اسی طرح اس کو حاکم (۴/ ۲۲۹، ۲۳۰) اور بیہقی (۹/ ۲۸۸) نے بھی روایت کیا ہے۔ یہ روایت ابو الحسناء کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کو حافظ ابن حجر نے ”تقریب“ میں مجہول کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ”میزان“ میں کہا ہے: ”لا یعرف“ یعنی معلوم نہیں کہ یہ کون ہے؟

اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی طرف سے قربانی کرنا اور وہ بھی آپ ﷺ کے حکم سے تھا تو ہر کسی کے لیے یہ جائز ہوا۔

اس روایت سے استدلال تب درست ہوتا جب یہ صحیح ہوتی جبکہ اسے خود امام ترمذی، حافظ ابن حجر، امام ذہبی، امام منذری، امام ابن حبان، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری، علامہ احمد عبد الرحمٰن البنا اور علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہم اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(دیکھیں: الفتح الرباني: ١٣/ ١٠٩، تحقيق المشكاة للألباني: ١/ ٤٦٠، مرعاة المفاتيح: ٣/ ٣٥٩)

امام ترمذی نے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بعض اہل علم اس کے جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں۔

امام ابن المبارک فرماتے ہیں کہ مجھے زیادہ محبوب یہ ہے کہ فوت شدگان کی طرف سے قربانی نہ دی جائے بلکہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے اور اگر قربانی دی جائے تو پھر اس کا گوشت خود نہ کھایا جائے بلکہ سارے کا سارا ہی تقسیم کر دیا جائے۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری نے لکھا ہے کہ مجھے کوئی ایسی مرفوع اور صحیح حدیث نہیں ملی جو فوت شدگان کی طرف سے قربانی کے جواز پر دلالت کرتی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث ضعیف ہے۔ اگر کوئی شخص کسی فوت شدہ کی طرف سے قربانی کرے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی قربانی کا سارا گوشت تقسیم کر دے۔ (حوالہ بالا)

البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فوت شدگان کی طرف سے قربانی کے جواز کے قائل ہیں۔ (مجموع الفتاوى: ٢٦/ ٣٠٦)

ایک وضاحت:

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جو شخص اپنے کسی فوت شدہ عزیز کی طرف سے قربانی دے اسے دو جانور خریدنے چاہییں کیونکہ ایسی قربانی کے جواز پر جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے ان کے مخصوص اور ضعیف ہونے سے قطع نظر ان میں دو ہی جانوروں کا ذکر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک جانور اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ذبح کیا اور دوسرا اپنی امت کے افراد کی طرف سے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے اور دوسری نبی اکرم ﷺ کی طرف سے قربانی کی۔

بعض لوگ صرف ایک ہی دنبہ یا چھترا خریدتے ہیں اور اسے اپنے فوت شدہ والدین یا دیگر اقرباء کی طرف سے قربانی کر دیتے ہیں جبکہ یہ انداز صحیح نہیں کیونکہ اس طرح مذکورہ احادیث کی رو سے اس فوت شدہ کی طرف سے تو قربانی ہوگئی مگر خود وہ شخص اور اس کے گھر والے قربانی جیسی سنت مؤکدہ اور احناف کے نزدیک واجب کے تارک ہوگئے، لہٰذا اگر کسی فوت شدہ کی طرف سے قربانی کرنا ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک جانور اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ذبح کرے اور دوسرا فوت شدہ کی طرف سے خاص ہو، پھر فوت شدہ کی طرف سے کی گئی قربانی کا سارا گوشت تقسیم کر دینے ہی میں احتیاط ہے۔

قربانی کے گوشت کی تقسیم:

اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کیے گئے جانور کے بارے میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ وہ خود کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں۔ اب رہی یہ بات کہ کتنا خود کھائیں اور کتنا تقسیم کریں؟ اس کی کوئی حد کسی نص صریح سے تو

ثابت نہیں البتہ اہل علم کا کہنا ہے کہ گوشت کے تین حصے کر لیے جائیں، ایک اپنے لیے، دوسرا احباب و متعلقین کے لیے اور تیسرا فقراء و مساکین کے لیے۔

چنانچہ المغنی لابن قدامہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

« وَ يُطْعِمُ اَهْلَ بَيْتِهِ الثُّلُثَ، وَ يُطْعِمُ فُقَرَاءَ جِيْرَانِهِ الثُّلُثَ، وَ يَتَصَدَّقُ عَلَى السُّؤَالِ بِالثُّلُثِ »(۲۵۰)

''ایک تہائی اپنے اہل خانہ کو کھلائے، ایک تہائی پڑوسی مساکین و فقراء کو کھلائے اور ایک تہائی عام سائلین پر صدقہ کر دے۔''

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسے حافظ ابو موسیٰ اصفہانی نے ''الوظائف'' میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ (المغني: ۹/ ٤٤٨) لیکن شیخ البانی نے ارواء الغلیل میں لکھا ہے کہ اسے حسن کہا گیا ہے لیکن مجھے یہ ایسی نہیں لگتی اور اس کی سند نہ ملنے کی وجہ سے حتماً کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا اور حسن کہنے والوں نے معلوم نہیں اس سے حسن المعنی مراد لیا ہے یا حسن السند؟ اور حسن المعنی ہی اقرب ہے۔ (الارواء: ٤/ ٣٧٤)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس معاملے میں کوئی مخالف بھی نہیں تھا جو اجماع پر دلالت کرتا ہے۔ نیز قرآن کریم سے بھی اسی تین حصے کرنے والی بات کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ سورہ حج میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ﴾ [الحج: ٣٦]

''قربانی کے گوشت سے خود کھاؤ اور خود دار محتاجوں کو کھلاؤ اور سوالی کو بھی کھلاؤ۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور امام ابن قدامہ نے مغنی میں اسی

(۲۵۰) دیکھیں: المغني لابن قدامة (۹/ ۴۴۸) [مؤلف]

آیت سے استدلال کیا ہے اور اسی تقسیم کو ترجیح دی ہے۔

(المغني: ٩/ ٤٤٨ـ ٤٤٩، تفسير ابن كثير: ٣/ ٤٧٧ـ ٤٧٨ اردو)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے۔

(مجموع الفتاوی ٢٦/ ٣٠٩)

غیر مسلم کے لیے قربانی کا گوشت:

بعض اہل علم کے نزدیک قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دیا جا سکتا ہے کیونکہ سورہ حج کی آیت میں ﴿اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ﴾ میں عام حکم ہے، جو غیر مسلموں کو بھی شامل ہے اور اس کی ممانعت کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔ مولانا حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنے ایک مقالے میں اس رائے کا اظہار کیا ہے۔

(الاعتصام عید الاضحیٰ نمبر ١٩٨٦ء)

گوشت کی مدت:

مذکورہ بالا مستحب تقسیم کے مطابق اپنے حصے میں جو گوشت کا تیسرا حصہ آئے، اس میں سے عید کے دن، ایام تشریق (١١، ١٢، ١٣/ ذوالحجہ) میں اور بعد تک بھی اسے کھایا اور رکھا جا سکتا ہے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم، سنن ابو داود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں دو ایک نہیں بلکہ متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شروع اسلام میں نبی اکرم ﷺ نے غرباء و مساکین کی کثرت اور قربانی کرنے والوں کی قلت کے پیش نظر قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ عرصہ تک کھانے اور رکھنے سے منع فرما دیا تھا تاکہ فقراء کو زیادہ سے زیادہ گوشت پہنچ سکے مگر بعد میں جب مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے فراخی و کشائش فرما دی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«کُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَ تَصَدَّقُوْا» (٢٥١)

(٢٥١) ملاحظہ ہو: موطأ امام مالک (٢/ ٤٨٤، ٤٨٥) بخاری (١٠/ ٢٤) مسلم (١٣/ ١٣٠، ١٣٥) ابو داود (٢٨١٢، ٢٨١٣) ترمذی (١٥١٠) نسائی (٧/ ٢٣٣، ٢٣٦) ابن ماجہ ←

''خود کھاؤ، ذخیرہ کرلو اور صدقہ کردو۔''

لہٰذا آج جن علاقوں میں باحیثیت لوگوں کی کثرت ہو وہاں تو جتنے دن چاہیں قربانی کا گوشت کھائیں لیکن جہاں فقراء وغرباء یا ایسے لوگ ہوں جو قربانی نہ کرسکتے ہوں وہاں قربانی کرنے والوں کو گوشت کا ذخیرہ کرنے کے بجائے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ قربانی کا گوشت زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔

آغاز اسلام میں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے اور جمع رکھنے کی ممانعت اور بعد میں خوشحالی ہوجانے کے پیش نظر اس کی اجازت دے دینے کی ان دونوں صورتوں اور حالتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ کسی طرح بھی روا نہیں رہتا کہ فقراء ومساکین کے گھروں میں تو صرف عید کے دن ہی چار بوٹیاں پکیں اور پھر فاقہ ومستی مگر امیر لوگ اپنی قربانی کے گوشت سے فریزر بھر لیں اور مہینوں کھاتے رہیں۔ یہ انداز مزاجِ اسلام اور منشائے نبوت کے قطعاً منافی ہے۔

قرض لے کر قربانی کرنا:

حج اور عید الاضحیٰ کے موقع پر منیٰ میں موجود حجاج اور اپنے اپنے گھروں میں مقیم تمام مسلمانوں کے لیے قربانی شعائر دینیہ میں سے ایک اہم شعار اور عبادت ہے؛ اس کی اہمیت وفضیلت میں کوئی کلام نہیں۔ اس کے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ ہونے کی وجہ سے اہل علم نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی کے پاس اپنا ذاتی پیسہ نہ بھی ہو البتہ اس کے کاروبار یا ملازمت سے اسے بعد

← (۳۱۵۹، ۳۱۶۰) دارمی (۲/ ۷۹) بیہقی (۹/ ۲۹۱) مسند طیالسی (۱/ ۲۳۰، ۲۳۱) مسند احمد (۱/ ۱۳۵، خ ۵/ ۷۵، ۷۶، ۳۵۰، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۹، ۶/ ۵۱، ۱۲۷، ۱۲۸، ۲۰۹) اور مسند احمد یعلی (۲۷۸)

میں پیسے مہیا ہو جانے کی غالب توقع ہو تو وہ قرض لے کر بھی قربانی کر سکتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرض لے کر قربانی دینا ایک مستحسن فعل ہے اگرچہ یہ واجب وضروری نہیں ہے۔(مجموع الفتاوی: ۲۶/ ۳۰۵)

اور اگر کسی پر پہلے سے کوئی قرض واجب الادا ہے اور اسے وہ حسب وعدہ بروقت ادا کرنے کی بھی بخوبی توقع رکھتا ہے تو ایسا شخص بالاولیٰ قربانی کر سکتا ہے۔ وہ لوگ جو کسی کاروباری قرض (نفع آور) کے بہانے قربانی ترک کر دیتے ہیں کہ جی ہم تو پہلے ہی مقروض ہیں ان کا یہ عذر بجا نہیں ہے۔

قربانی کی شرعی حیثیت کو مشتبہ ومشکوک بنانے کی ناکام وبدترین سازش:

قرآن کریم اور حدیث شریف سے قربانی کے ثابت شدہ اور مشروع عمل ہونے کے علاوہ نبی اکرم ﷺ کے ذاتی مسلسل عمل، تعامل صحابہ وتابعین، ائمہ اربعہ بلکہ تمام مکاتب فکر کے ائمہ وفقہاء اور محدثین کی تصریحات کے پیش نظر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے لے کر پہلی سب امتوں اور امت اسلامیہ کے تمام افراد حسبِ استطاعت گھر گھر قربانی کرتے چلے آ رہے ہیں مگر شیطان لعین جو اپنی جگہ مصروف شیطانیت ہے، اس نے نہ صرف غیر مسلم لوگوں کے ذریعہ بلکہ بعض بزعم خود مسلمانوں یعنی منکرین حدیث یا پرویزی نظریات کے حامل لوگوں اور مغرب زدہ وعقل پرست شاطروں کو بھی بہکایا تو وہ قربانی کے خلاف طرح طرح کا پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک نے کہا کہ قربانی تو صرف منیٰ میں موجود حجاج ہی کے لیے ضروری ہے، گھر گھر قربانی کا کوئی جواز نہیں۔ اس طرح قربانی کی شرعی حیثیت کو مشکوک بنانے کی نامسعود کوشش کی گئی اور پھر اس بات کو مزید تقویت دینے کے لیے کسی بقلم خود ''رحم دل'' نے یہ ہوّا کھڑا کر دیا کہ گھر گھر قربانی کرنا جانوروں پر ایک

طرح کا ظلم، بے رحمی اور سنگدلی ہے، اور پھر ملت اسلامیہ کے افراد کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے کے لیے بعض مادہ پرستوں اور دولت کے پجاریوں نے یہ دہائی دینا شروع کردی کہ ہر سال ہر گھر میں قربانی ''ضیاع اموال'' ہے۔

قربانی جیسے شعارِ اسلام کے خلاف اس قسم کے الٹے سیدھے اعتراضات اچھال کر اپنے گھٹیا ذہنی معیار کا ثبوت بہم پہنچایا جاتا ہے کیونکہ کسی بھی عقلِ سلیم کے مالک مسلمان کے نزدیک ایسے بے سروپا اعتراضات میں کوئی جان نہیں اور نہ ہی کوئی وزن ہے بلکہ یہ اعتراضات خود معترضین کے عقلی دیوالیہ پن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قربانی اور تعاملِ امت:

قربانی صرف حجاج بیت اللہ پر ہی ضروری نہیں بلکہ ہر سال ہر گھر والوں اور خصوصاً اصحابِ استطاعت مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ جس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے، اب اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ صرف سورہ حج کی آیت (۳۴) ﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ کا ترجمہ وتفسیر اور خصوصاً تفسیر کبیر امام رازی (۶/ ۲۳۶) تفسیر ابن کثیر (۳/ ۲۲۱) تفسیر فتح القدیر امام شوکانی (۳/ ۴۵۲)، مختصر تفسیر موضح القرآن از شاہ عبد القادر محدث دہلوی اور حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱/ ۹۹) ملاحظہ فرمائیں۔

ایسے ہی سورہ انعام کی آیت (۱۶۲) ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ﴾ کے ترجمہ وتفسیر کے لیے بطور خاص تفسیر ابن کثیر (۲/ ۱۹۸)، اور فتح القدیر امام شوکانی (۲/ ۱۸۵) کا مطالعہ کیا جائے۔

اسی طرح سورۂ کوثر کی دوسری آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ کا ترجمہ اور لفظ ''نحر'' کے ضمن میں قدیم و جدید مفسرین بالخصوص امام رازی، امام ابن کثیر،

امام قرطبی، امام شوکانی، علامہ آلوسی، شیخ احمد مراغی اور والا جاہ نواب صدیق حسن خان کی تصریحات پڑھنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قربانی کا تعلق صرف منیٰ میں موجود حجاج ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے تمام افراد کو اس کا حکم فرمایا گیا ہے اور یہ صرف امت اسلامیہ ہی پر نہیں بلکہ پہلی امتوں پر بھی ضروری رہی ہے۔

مذکورہ قرآنی آیات اور تفسیری اشارات کے علاوہ قربانی کے بارے میں مفصل احکام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں قربانی کا عام رواج ہونے اور خود نبی اکرم ﷺ کے دس سالہ عمل مبارک کے بارے میں کم وبیش انیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔

کوئی ایک بھی صحیح تو کیا ضعیف سے ضعیف روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے پتہ چل سکے کہ قربانی اسلامی شعار اور سنت رسول نہیں یا یہ بتائے کہ قربانی صرف منیٰ میں ہے، باہر کے مسلمانوں پر نہیں۔ پھر عہد نبوی اور دور صحابہ و تابعین کے بعد اسلامی مکاتب فکر کے تمام ائمہ و فقہاء بھی قربانی کی مشروعیت پر متفق ہیں۔ مؤلفین صحاح و سنن اور مسانید و معاجم نے اپنی کتب میں اور مذاہب اربعہ کے فقہاء نے اپنی کتب میں ''مناسک الحج'' کے ضمن میں ''باب الهَدْيِ'' قائم کیا ہے اور دوسری عام قربانیوں کے لیے ''اضاحی'' یا ''ضحایا'' یا ''اضحیۃ'' کے تحت احادیث و آثار جمع فرمائے اور ان کے احکام بیان کیے ہیں۔

ڈیڑھ ہزار سال سے قربانی کے مشروع و مسنون عمل ہونے پر تمام فقہاءِ اسلام کا اتفاق و اجماع ہے اور امت اسلامیہ کا عملی تواتر اس پر مستزاد ہے؛ لہٰذا قربانی کی شرعی حیثیت کو مشکوک بنانے کی ناکام کوشش کرنے والوں اور منکرین حدیث و سنت، پرویزی نظریات کے حاملین اور پرویز کی معنوی اولاد کے مسموم

پروپیگنڈے میں ہرگز نہیں آنا چاہیے۔

منکرین حدیث کے ایک چیمپین اور پرویزی نظریات کے پرچارک ''طلوع اسلام'' لاہور کے ممبر پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے قربانی کے خلاف لکھے گئے ایک مضمون کا تعاقب مولانا محمد عبید اللہ عفیف نے ''قربانی کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے کیا جو پہلے ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' لاہور (جون، جولائی، اگست ۸۵ء) میں بالاقساط شائع ہوا، پھر اس تحقیقی مقالے کی علمی و دینی افادیت کے پیش نظر اسے ''ہفت روزہ الاعتصام'' لاہور نے اپنے ''عید الاضحیٰ نمبر ۸۶ء'' میں دوبارہ شائع کیا۔ قربانی کے بارے میں پرویزیوں کی نامشکور مساعی کے رد کے لیے یہ مقالہ انتہائی مفید ہے۔

قربانی پر بے رحمی کے واویلہ کا جائزہ:

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے جذبہ فدائیت کی یادگار اور تمام اسلامی مکاتب فکر کے نزدیک متفق علیہ سنت ''عید الاضحیٰ کی قربانی'' پر مخالفین اسلام بے رحمی و سنگدلی کا جو اعتراض کرتے ہیں وہ بھی محض لغو اور باطل ہے۔

نبی اسلام ﷺ کو تو خود خالق کائنات نے ﴿رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی کوئی سنت بے رحمی اور سنگدلی کا مظہر کیسے ہوسکتی ہے؟ کتب حدیث و سیرت کھول کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں تک کے ساتھ بھی رحم و کرم فرماتے اور لطف و محبت کا حکم فرمایا کرتے تھے، جس کی چند مثالیں ''مسائلِ ذبح ونحر'' کے ضمن میں ذکر کی جاچکی ہیں۔ مزید برآں سنن ابوداود، مسند احمد، مسند ابی یعلی اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ کو دیکھ کر ایک اونٹ بلبلایا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ نے شفقت کے ساتھ اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو وہ

پرسکون ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے مالک کا پتہ کروا کے اسے فرمایا:

« اَفَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللّٰهُ إِيَّاهَا ، فَإِنَّهٗ شَكَا إِلَيَّ اَنَّكَ تُجِيْعُهٗ وَ تُدْئِبُهٗ » (۲۵۲)

''کیا تم اس جانور سے بدسلوکی کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتے ہو جس نے تمھیں اس کا مالک بنایا ہے؟ اس نے میرے سامنے تمھاری شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور کام زیادہ لیتے ہو۔''

نبی اکرم ﷺ کا یہ معجزہ مذکورہ کتب کے علاوہ دلائل النبوۃ بیہقی جلد دوم میں بھی مذکور ہے۔ مسند احمد، مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں مروی ہے کہ سواری والے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« اِرْكَبُوْا هٰذِهِ الدَّوَابَّ سَالِمَةً وَ دَعُوْهَا سَالِمَةً وَ لَا تَتَّخِذُوْهَا كَرَاسِيَّ » (۲۵۳)

''ان جانوروں پر صحیح و سالم ہونے کی شکل میں سواری کرو اور جب ضرورت نہ ہو تو انھیں صحیح و سالم ہی فارغ چھوڑ دو اور انھیں (بلا

(۲۵۲) ابو داود (۲۵۴۹) ''الجہاد'' مسند احمد (۱/ ۲۰۴، ۲۰۵) مسند ابو یعلی (۶۷۸۷) اور ''مستدرک حاکم'' (۲/ ۹۹-۱۰۰) اس کو ابن ابی شیبہ (۶/ ۳۲۲۔ دار التاج) ابو عوانہ (۱/ ۱۹۷) اور ابن عساکر نے بھی ''تاریخ دمشق'' (۱۸، ۱۹، تراجم حرف العین عبداللہ بن جابر، عبداللہ بن زید) میں روایت کیا ہے، یہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور صحیح حدیث ہے۔

(۲۵۳) مسند احمد (۳/ ۴۴۰، ۴/ ۴۳۴) مستدرک حاکم (۱/ ۴۴۴، ۲/ ۱۰۰) اور سنن بیہقی (۵/ ۲۵۵) اس کو دارمی (۲/ ۲۸۶) ابن خزیمہ (۲۵۴۴) ابن حبان (۲۰۰۲) اور طبرانی نے بھی ''المعجم الکبیر'' (۲۰/ ۱۹۳) میں معاذ بن انس سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے؛ ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

ضرورت ہی) اپنے لیے کرسی نہ بنالو۔"

نیز سنن ابو داود و بیہقی میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« إِيَّاكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ»(۲۵۴)

"خبردار! اپنے سواری والے جانوروں کی پشتوں کو بلا ضرورت اپنے لیے منبر نہ بنالو۔"

اور سنن ابو داود اور صحیح ابن خزیمہ میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا گزر ایک ایسے اونٹ کے پاس سے ہوا جس کی پشت اور پیٹ (کمزوری و مشقت کی وجہ سے) باہم ملے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

« اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ»(۲۵۵)

"ان بے زبان جانوروں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔"

ایسے ہی مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک صبح کسی کام سے نکلے تو دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر کسی نے اونٹ بٹھایا ہوا ہے اور پھر اسی دن شام کو بھی دیکھا کہ وہ اونٹ اسی جگہ موجود ہے تو استفسار فرمایا کہ اس کا مالک کون ہے؟ مگر وہ نہ ملا تو (بلا وجہ) کسی جانور کو باندھ کر بٹھا رکھنے سے منع کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ»(۲۵۶)

---

(۲۵۴) ابو داود (۲۵۶۷) اور بیہقی نے اس کو "سنن" (۵/ ۲۵۵) اور "الآداب" (۷۹۵) میں بھی روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اور صحیح ہے۔

(۲۵۵) ابو داود (۲۵۴۸) "الجہاد" ابن خزیمہ (۲۵۴۵) عن سهل بن الحنظلية رضي الله عنه و إسناده حسن۔

(۲۵۶) احمد (۴/ ۱۸) ابن حبان (۸۴۴، ۸۴۵) عن سهل بن الحنظلية رضي الله عنه و صححه ابن حبان.

"ان جانوروں کے معاملے میں خوف الٰہی سے کام لیا کرو۔"

سبحان اللہ! یہ تھی شان رحمۃ للعالمین۔

الادب المفرد امام بخاری، سنن ابی داود اور مستدرک حاکم میں حدیث ہے کہ ایک سفر کے دوران کسی صحابی نے چڑیا کے گھونسلے سے اس کے دو بچے اٹھالیے؛ چڑیا نے سروں پر آ کر پھڑ پھڑانا شروع کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ کو جب واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ فَجَّعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا »(۲۵۷)

"اس کے بچے اٹھا کر اسے کس نے تکلیف پہنچائی ہے؟ اس کے بچے فوراً اسے واپس لوٹا دو۔"

سنن ابو داود میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چیونٹیوں کا ایک گھر جلا ہوا دیکھا تو ارشاد فرمایا:

« اِنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ »(۲۵۸)

"آگ کے خالق اللہ کے سوا کسی کو لائق نہیں کہ کسی کو آگ کے ساتھ عذاب دے۔"

یہ واقعات تو حلال جانوروں سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کے عذاب جہنم کی

---

(۲۵۷) الادب المفرد (۳۸۴) ابو داود (۲۶۷۵) "الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار"، و في الأدب (۵۲۶۸) "باب في قتل الذر" اور "مستدرک" (۴/ ۲۳۹) اس حدیث کو امام حاکم، ذہبی اور نووی نے صحیح کہا ہے۔

(۲۵۸) یہ نمبر (۲۵۷) میں گزرنے والی حدیث ہی کا ٹکڑا ہے۔

خبر دی جس نے ایک بلی کو باندھے رکھا اور کھانے پینے کو کچھ نہ دیا یہاں تک کہ وہ بھوکی پیاسی ہی مرگئی۔ (۲۵۹)

اس واقعہ میں عذاب جہنم کی خبر دینے میں بھی آپ ﷺ کی شانِ رحمت نمایاں ہے تاکہ لوگ ایسا کرنے سے باز رہیں اور مبتلائے عذاب نہ ہوں۔

ایسے ہی صحیح بخاری، الادب المفرد، صحیح مسلم، سنن ابی داود اور مسند احمد میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی راہ گیر مسافر کو پیاس نے ستایا تو وہ ایک کنویں میں اترا، پانی پی کر باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے، اس بندے کے دل میں رحم آیا اور اس نے کنویں سے پانی نکال کر کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرما دی۔ آپ ﷺ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

« فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ » (۲۶۰)

---

(۲۵۹) یہ حدیث ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

۱۔ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بخاری نے ''صحیح بخاری'' (۲۳۶۵) ''المساقاۃ'' اور ''الادب المفرد'' (۳۸۱) میں، مسلم (۱۴/ ۲۴۰، ۱۶/ ۱۷۲) "كتاب قتل الحيات و نحوها والبر والصلة" دارمی (۲/ ۲۳۱) "الرقائق" ابن حبان (۵۴۶ تحقیق الشیخ شعیب) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۷۸۹) میں اور بیہقی نے ''الآداب'' (۴۵۹) میں روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسلم، ابن ماجہ (۴۲۵۶) ''الزہد'' احمد (۲/ ۲۶۹، ۲۸۲، ۳۱۷، ۴۲۴، ۴۵۷، خ: ۴۶۷، خ: ۴۷۹، خ: ۵۰۱، ۵۰۷) ابو یعلی (۵۹۳۵، خ: ۵۹۴۲، ۶۰۴۴، ۶۱۵۲) اور بیہقی نے ''الآداب'' (۱۰۳۳) میں روایت کیا ہے۔

(۲۶۰) صحیح بخاری (۲۳۶۳) ''المساقاۃ''، "الأدب المفرد" (۳۸۰) صحیح مسلم (۱۴/ ۲۴۱، ۲۴۲) "قتل الحيات وغيرها" ابو داود (۲۵۵۰) ''الجہاد''

"ہر جاندار پر ترس کھانا باعث اجر ہے۔"

جبکہ صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں تو یہاں تک مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت نے ایک ایسے کتے کو کنویں کے کنارے دیکھا جسے قریب تھا کہ پیاس کی شدت موت کی نیند سلا دے، اس عورت نے اس پر ترس کھا کر پانی نکال کر اسے پلایا۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

((فَغُفِرَ لَهَا بِهِ))(۲۶۱)

"اللہ نے اس عورت کو اسی نیکی کے عوض بخش دیا۔"

کیا ان ارشادات و تعلیمات سے کہیں بے رحمی کا شائبہ بھی نظر آتا ہے؟

علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ حضرت عمر فاروق، ابن عمر، ابو درداء رضی اللہ عنہم اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بھی کئی ایسے واقعات طبقات ابن سعد، سنن بیہقی، مسند احمد اور کتاب الزہد امام احمد میں مذکور ہیں۔

(دیکھیں: سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۱/ ۳۵ ـ ۳۸)

کیا ایسے نبی یا اس کے پیروکاروں سے جانوروں کے ساتھ بے رحمی اور وہ بھی سالانہ اور مقررہ ایام میں ممکن ہے؟ اس بات کا تو تصور کرنا بھی غلط ہے۔

دراصل اعتراض کرنے والے لوگ خالق و مخلوق اور عابد و معبود کے باہمی تعلق کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں؛ وہ عبودیت و بندگی کے اس ذوق کو کیا سمجھیں کہ جان آفریں کے ارشاد کی تعمیل میں تو اپنے اکلوتے اور چہیتے بیٹے کی گردن پر بھی چھری چلائی جا سکتی ہے۔ اس کے مقابلے میں یہ جانور چیز ہی کیا ہیں؟

(۲۶۱) بخاری (۳۳۲۱) "بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب..." (۳۴۶۷) احادیث الانبیاء (آخری باب) مسلم (۲۲۴۲/۱۴) احمد (۲/ ۵۰۷، ۵۱۰) اسے ابن حبان (۳۸۶، تحقیق شعیب) اور ابو یعلی (۶۰۳۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

اور پھر بے رحمی کا یہ اعتراض صرف قربانی پر ہی کیوں کیا جاتا ہے جبکہ یہی اعتراض کرنے والے اپنی شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں سینکڑوں بکرے اور ہزاروں مرغ ذبح کرتے ہیں اور موجودہ سائنس بتاتی ہے کہ ایک مربع انچ فضا اور ایک گلاس پانی میں دس کروڑ جاندار (جراثیم) ہوتے ہیں ۔ اپنے نہانے کے لیے پانی گرم کرتے ہوئے انھوں نے کبھی ان کروڑوں جانوروں کے تلف ہونے کا سوچا ہے؟ اور جو سائنس دان نباتات میں حیات (زندگی) کے قائل ہیں ان کے لحاظ سے تو گھاس پھوس اور درختوں کا کاٹنا بھی ظلم و بے رحمی شمار ہونا چاہیے۔ ایسی کتنی ہی دیگر مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ قربانی پر بے رحمی کا اعتراض کرنے والے لوگ کیا ان باتوں کا کوئی جواب رکھتے ہیں؟ اگر ہے تو وہی ہماری طرف سے بھی سمجھ لیں۔

اور قربانی اگر خدانخواستہ بے رحمی بھی ہو تب بھی ایسے لوگوں کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا کیونکہ

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: تجلیات رمضان از مولانا حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی، ص: ۱۵۳ تا ۱۶۵ طبع ۱۹۷۷ء، ماهنامه آثار، مئوناتھ بھنجن، یو پی انڈیا، جلد دوم شمارہ ۹ ، ستمبر ۱۹۸٤ء مقالہ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری)

مویشیوں کی قلت کا بہانہ:

قربانی کے بارے میں منکرین حدیث اور بعض اباحیت پسند حلقے یہ دریدہ دہنی بھی کرتے ہیں کہ یہ معاشی و اقتصادی اعتبار سے نقصان دہ ہے، اسی طرح بعض حضرات جانوروں کی قلت کا رونا روتے ہیں۔

ان کے اس اعتراض کو صحیح تسلیم کر لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم اس امر

کا اعتراف کرلیں کہ اسلام کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ ''دین کامل'' ہے، بلکہ یہ ہماری معاشیات کے لیے مضر اور اقتصادیات کے لیے نقصان دہ ہے جو دین اسلام کی نسبت انتہائی غیر ذمہ دارانہ بلکہ جاہلانہ وکورانہ نظریہ ہے، کیونکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل اور عالمگیر ہے، اگر اس کے معاشی و اقتصادی مبادیات اور اصولوں پر عمل کیا جائے تو آج بھی دنیا کی گرتی ہوئی معاشی حالت کو سہارا مل سکتا ہے۔

پھر جانوروں کی قلت کا بہانہ تو قربانی نہ کرنے کی بڑی ہی بودہ دلیل ہے جسے ''عذر لنگ را بہانہ بسیار'' کا مصداق ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ ہزاروں سالوں سے یہ عمل پیہم اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر اس سے قلت رونما ہونا ہوتی تو کب کی ہو چکی ہوتی مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا۔

ایام قربانی میں ذبح ہونے والے جانوروں کے مبالغہ آمیز اعداد و شمار دیتے ہوئے یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ مسلم ممالک میں ان تین چار دنوں میں عام طور پر ذبح خانے تقریباً بند رہتے ہیں اور عید سے کئی دن قبل اور پھر بعد میں بھی ذبیحہ کی رفتار خاصی کم رہتی ہے۔ اگر اس طرح رونما ہونے والی جانوروں کی بچت کو کل میزان سے منہا کر لیا جائے تو پھر قربانی میں کیے جانے والے جانوروں کی تعداد خاصی حوصلہ افزا ہو جائے گی اور اس کے اعداد و شمار ہوشربا نظر نہیں آئیں گے۔

مویشیوں کی قلت کو دور کرنے کے لیے ان کی افزائش نسل کی چارہ سازی، مویشی فارموں کا قیام، مویشی پالنے والوں کی حوصلہ افزائی، چراگاہوں کی فراوانی اور سبزیات کی ترقی جیسے اقدامات کی فکر کرنا چاہیے۔ اسی طرح ذبیحہ پر مناسب ہفتہ وار پابندی عائد کی جائے تو یقیناً قلت کی شکایت دور ہو سکتی ہے۔

اگر بفرض محال پھر بھی قلت دور نہ ہو تو پھر مولانا مودودی رحمہ اللہ کے بقول ''ہفتہ میں پورے سات دن گوشت کا ناغہ ہونے لگے تو یہ امر اس سے بدرجہ بہتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک سنت کو ہی مستقل طور پر ختم کر دیا جائے۔''

(بحوالہ ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور جلد ۱۷، شمارہ ۳۳، ۳۴، بابت اگست ۱۹۸۶ء مقالہ مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری رحمہ اللہ)

ضیاعِ اموال کا رونا:

اس بات کا بھی خیال رہے کہ مغرب زدہ عقل پرستوں کی طرف سے جو وقتاً فوقتاً ایک شور سننے میں آتا ہے کہ ان قربانیوں سے ہر سال کروڑوں روپے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ رقمیں بچا لی جائیں اور کسی قومی یا سماجی ادارے کو دے دیں تو ہزاروں کام بن سکتے ہیں، اتنے لوگوں کے گھر آباد ہو سکتے ہیں، اتنی غریب لڑکیوں کے ہاتھ پیلے ہو سکتے ہیں، یہ ہو سکتا ہے اور وہ ہو سکتا ہے۔ پھر وہ لوگ اپنی اس کج فکری و بدحواسی کے پلندے کو تحقیق و ریسرچ کا نام دے لیتے ہیں اور اپنی اس سطحی اور باغیانہ فکر کو ادیبانہ اسلوب میں پیش کر کے عوام الناس کو بہکانے کی سعی نامشکور کرتے ہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان ایمان و ایقان کی جس دولت سے مالا مال ہوتا ہے، اس کے سامنے ان غلامانِ عقل کی ساری کوششیں پادر ہوا ثابت ہو رہی ہیں، البتہ ان کے اس انوکھے ''اندازِ تحقیق'' سے اسلام دشمن قوتوں کو اسلام کے خلاف کیچڑ اچھالنے کا موقع ضرور ملتا رہتا ہے جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جس چیز کو یہ لوگ تحقیق و ریسرچ کا نام دیتے ہیں وہ تحقیق و ریسرچ نہیں بلکہ محض ان کی ''عقلی عیاشی'' ہے۔

دین کے صدیوں سے متفقہ مسائل میں عقلی اڑنگے لگانے والے یہ لوگ قرآن و سنت کی نصوص کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے قربانی جیسے مقدس

شعائرِ دین سے لوگوں کو بدگمان کرنے والے یہ شاطر حب رسول ﷺ کے تحت مسلمانوں کی قربانیوں کو دیکھ کر تو بڑ بڑا اٹھتے ہیں مگر اپنے آپ کو دانش منداور دانشور کہلوانے والے حضرات اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ ہر جگہ پیسے سے کام نہیں چلتا اور نہ ہی ہر عمل کے لیے پیسہ کام دیتا ہے بلکہ کچھ امور جسمانی عبادت ہوتے ہیں اور کچھ مالی۔ اور قربانی وہ عبادت ہے جو صرف جانوروں کا خون بہانے ہی سے پوری ہوسکتی ہے۔ قربانی کے دن مالی صدقہ بھی خون بہانے کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ سنن ترمذی و ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو کوئی عمل اتنا محبوب نہیں جتنا قربانی کے جانوروں کا خون بہانا محبوب ہے۔ (۲۶۲)

نیز سنن دارقطنی کی ایک روایت میں ہے کہ عید کے دن کسی نیک کام پر چاندی خرچ کرنا بھی اتنا افضل نہیں جتنا کہ قربانی کے جانوروں کا خون بہانا ہے۔ (۲۶۳)

قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کردینا جائز ہوتا تو نبی اکرم ﷺ خلفاءراشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کرتے کیونکہ اس دور میں بھی غریب لوگ موجود تھے۔ پھر قربانی کی بجائے نقد رقم صدقہ کرنا اس لیے بھی روا نہیں کہ اس طرح نبی اکرم ﷺ کی ایک سنت کو ترک کرنا لازم آتا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

(الشرح الكبير على هامش المغني: ۳/ ۵۸۲)

فقہ حنفی کی کتب درمختار (۶/ ۲۱۳) ردالمختار (ایضاً) اور فتاوی عالمگیری (۵/ ۲۹۱) میں صراحتیں موجود ہیں کہ قربانی کا رکن خون بہانا ہے اور جانور کی قیمت صدقہ کر دینا تو درکنار اگر اس جانور کو ذبح کرنے کی بجائے زندہ ہی صدقہ کردیا جائے تو قربانی

---

(۲۶۲) اس حدیث کی تخریج نمبر (۱۸۲) میں دیکھیں۔

(۲۶۳) یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ اس کی تخریج نمبر (۱۸۵) میں گزر چکی ہے۔

کے طور پر یہ جائز نہیں ہے۔ اسی قسم کی تصریحات "البدائع و الصنائع" للعلامة کاساني (٥/ ٦٦) اور "المبسوط" للسرخسي (١٢/ ١٣) میں بھی موجود ہیں۔

فتاوی ہندیہ (عالمگیری: ۴/ ۵۱) میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہے:

"شِرَاءُ الْاُضْحِيَةِ بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ خَيْرٌ مِنَ التَّصَدُّقِ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ"

''دس درہم کا جانور خرید کر قربانی دینا، ہزار درہم نقد صدقہ کرنے سے بہتر و افضل ہے۔''

(دیکھیں: الاعتصام، عید نمبر ۸۶ء صفحہ نمبر ۳۶۔ ۳۷ و عید نمبر ۸۷ء صفحہ نمبر ۱۴۔ ۱۷، مقالہ از مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ)

آگے آگے دیکھیے:

غریبوں کے غم میں گھلنے کا بناوٹی مظاہرہ کرنے والوں کو یہ امور سامنے رکھ کر کوئی اقدام کرنا چاہیے اور مسلمانوں کو قربانی کی بجائے نقد رقم صدقہ کر کے ''ترکِ سنت'' کا مشورہ دینے کی بجائے کوئی اور سکیم زیرِ عمل لانے کی سوچنی چاہیے کیونکہ قومی و سماجی اداروں کو چلانے، غریبوں کا پیٹ پالنے اور غریب لڑکیوں کے ہاتھ پیلے کرنے کے بہانے مشروع اعمال کو بیچ کھانے اور ان کی قیمتیں لگانے کا یہ سلسلہ جاری ہو گیا اور کج فہمی کا یہی عالم رہا اور قربانی جیسی عبادت کو ''ضیاعِ اموال'' کا باعث قرار دیا جانے لگا تو پھر کوئی عبادت بھی ایسے لوگوں سے نہیں بچ پائے گی۔ مثلاً کل کلاں کو یہ کج فکر لوگ یہ سوچنا بھی شروع کر دیں گے کہ ہر دن میں مسلمان پانچ مرتبہ نماز پڑھتے ہیں اور ہر نماز پر اتنا وقت صرف ہوتا ہے۔ اگر ایک بستی یا شہر کے لوگ اتنا وقت کسی صنعت کاری میں لگائیں تو اتنا معاشی فائدہ ہو گا!!

پھر حج پر نظر جائے گی کہ محض ایک گھر کو دیکھنے کے لیے کروڑوں روپے

ہر سال ضائع ہوتے ہیں۔ اگر وہ رقمیں فلاں فلاں اداروں کو مل جائیں تو کیا خوب ترقی ہوگی؟ اسی طرح تلاوتِ قرآن اور خطباتِ جمعہ جیسی عبادات ہی نہیں بلکہ معمولاتِ زندگی اور لوازماتِ حیات مثلاً شادی بیاہ، اکل و شرب، خرید و فروخت حتی کہ سونے کے اوقات میں بھی کانٹ چھانٹ کرنی پڑے گی اور یہی نہیں بلکہ دیگر انسانی ضروریات پر بھی ریسرچ شروع ہوجائے گی۔

(ہفت روزہ الاسلام، لاہور شمارہ ۲۶، نومبر ۸۶ء، قربانی کا معاشی پہلو، از مولانا عبدالاعلیٰ رحمانی)

اندازہ فرمائیں کہ اگر یہ سلسلہ شروع ہوجائے تو منکرین حدیث پرویزیوں اور دوسرے مادہ پرستوں کی گھٹیا سوچ کیا کیا رنگ نہیں دکھلائے گی؟!

قربانی کا معاشی پہلو:

عقل بیمار کے مالک ان لوگوں کا یہ واویلا بھی سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ قربانیوں پر خرچ آنے والے اموال ضائع ہو جاتے ہیں بلکہ حقیقت اس کے سراسر برعکس ہے کیونکہ انفرادی و اجتماعی قربانیوں میں بہت سے معاشی، معاشرتی اور قومی و ملی فوائد بھی موجود ہیں، اگر چہ احیائے سنت کے اجر وثواب اور رضائے الٰہی کے حصول کے مقابلے میں ان فوائد کی ہمارے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے لیکن محض ان عقل پرستوں کے الزامی جواب کی خاطر ہم قربانیوں کے مالی و مادی فوائد کا پہلو بھی واضح کیے دیتے ہیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ قربانی کے ذریعے کس طرح کے مالی فوائد قوم و ملک کو واپس لوٹا دیے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے کتاب الٰہی قرآن کریم شاہد عدل ہے۔ سورہ حج کی آیت (۲۸) کے الفاظ: ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ قابل توجہ ہیں، جن میں حج کے فوائد کو ﴿مَنَافِعَ﴾ جمع کے صیغے سے ذکر فرمایا ہے۔ اسی آیت

میں قربانی کے جانوروں کا ذکر بھی موجود ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ قربانیاں بھی فائدوں اور منفعتوں سے خالی نہیں۔ نیز اسی سورت میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ [الحج: ٢٨]

''(قربانیوں کا گوشت) خود بھی کھائیں اور تنگدست محتاج کو بھی کھلائیں۔''

آیت (۳۶) میں پہلے تو فرمایا:

﴿لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾ [الحج: ٣٦]

''تمھارے لیے ان (قربانیوں کے جانوروں) میں بھلائی ہے۔''

اور پھر فرمایا:

﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ﴾ [الحج: ٣٦]

''ان میں سے خود بھی کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو قناعت کیے بیٹھے ہیں اور ان کو بھی جو اپنی حاجت پیش کریں۔''

ان آیات میں جن منفعتوں اور بھلائیوں کا ذکر ہے، ان میں سے سب سے پہلے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ مواخات و ہمدردی کا پہلو آتا ہے، کیونکہ ان قربانیوں کی بدولت ایسے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ''گوشت'' کھانے کا موقع میسر آجاتا ہے جنھیں سال بھر خرید کر گوشت کھانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ان قربانیوں کی برکت سے نہیں معلوم ان میں سے کتنے لوگوں کو سال بہ سال صرف عید الاضحیٰ کی قربانیوں کا گوشت ہی کھانے کو ملتا ہو۔ پھر یہ ان پر کوئی احسان بھی نہیں بلکہ بحکم الٰہی انہیں گوشت دینا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ اور ﴿اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ﴾ فرما کر ان کی غمگساریوں کو واجب قرار دے دیا ہے مگر غریبوں کی ہمدردی کے بلند

بانگ دعوے کرنے والوں کی اس طرف نظر ہی نہیں جاتی کہ آخر یہ گوشت جاتا کہاں ہے؟ وہ غریبوں میں ہی تو بٹتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو سورۂ حج میں قربانی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمادیا ہے کہ مجھے تمھارے دلوں کا تقویٰ اور پرہیزگاری مطلوب ہے۔ رہا گوشت، تو اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ [الحج: ٣٧]

''اللہ کو ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اسے تو صرف تمھارے دلوں کا تقویٰ و پرہیزگاری پہنچتی ہے۔''

تو گویا قربانی کرنا اللہ کے حضور تقویٰ و پرہیزگاری کا نذرانہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں میں سے غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ مواسات و ہمدردی کا ذریعہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ﴿لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾ یعنی ان قربانیوں میں تمھارے لیے بھلائی ہے۔ عقل کے بیماروں کو تو یہ بھلائیاں شاید نظر نہ آسکیں لیکن اگر تھوڑا سا عقلِ سلیم سے کام لیا جائے تو یہ بھلائیاں بڑی واضح اور ایک کھلی ہوئی حقیقت ہیں۔

قربانی کے مادی فوائد:

دنیا میں لاکھوں کروڑوں ایسے افراد ہیں جن کا ذریعہ معاش ہی یہی ہے کہ وہ اونٹوں، گائیوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پالیں اور معمولی قیمت پر خرید کر مفت کی گھاس پھوس کے ساتھ پال کر، اور معمولی قیمت کا چارہ دانہ ڈال کر عید قربان کے موقع پر اچھے داموں فروخت کریں۔ کبھی یہ بھی اندازہ کیا ہے کہ کتنوں کا گزر بسر اسی امر پر منحصر ہے؟

ان کے بعد ان لوگوں کی باری آجاتی ہے جو ان سے مال خرید کر بازاروں اور منڈیوں میں لا کر بیچتے ہیں۔ وہ الگ منافع کماتے ہیں جو ہزاروں خاندانوں کی دال روٹی مہیا کرتے ہیں۔

پھر ان گنت لوگ وہ ہیں جو ایام قربانی میں جانوروں کو ذبح کرنے اور ان کا گوشت بنانے کی اجرت وصول کرتے ہیں۔ یہ بات بھی معروف ہے کہ ان ایام میں اس کام کی اجرت بھی بڑی معقول اور عام حالات کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اس طرح کتنوں کا بھلا ہوا اور ہفتہ دس دن کی ہی نہیں بلکہ مہینوں کی روٹی کما گئے۔ جہاں لاکھوں غریب خاندان کم از کم تین دن کے لیے گوشت جیسی عمدہ غذا سے بہرہ مند ہوتے ہیں وہیں قربانیوں کی کھالوں سے اپنی بیسیوں ضرورتیں پوری کرتے ہیں کیونکہ وہ کھالیں بھی تو غریبوں، مسکینوں کو ہی دی جاتی ہیں جنھیں وہ بیچ کر ان کی قیمت اپنے کام میں لاتے ہیں۔ کھالوں کے ان انفرادی فوائد کے علاوہ ہزاروں یتیم خانے، دینی مدارس اور رفاہی ادارے ایسے ہیں جن کا سالانہ بجٹ انھیں کھالوں کی بدولت مستحکم ہوتا ہے۔

پھر ہزاروں خاندان ایسے ہیں جن کا ذریعہ روزگار چمڑے کی رنگائی ہے۔ ذرا ان سے پوچھ کر دیکھیں کہ ان کی معیشت میں قربانی کی کتنی اہمیت ہے اور ان کی اقتصادی پوزیشن کے استحکام میں قربانی کو کتنا دخل ہے؟ اس طرح افرادِ معاشرہ میں سے کتنے لوگ وہ بھی ہیں جو ہڈی وغیرہ کا کاروبار کرتے ہیں۔ سرکاری شعبہ تجارت سے رابطہ کر کے دیکھیں تو پتہ چلے کہ قربانیوں کی کھالوں، ہڈیوں اور اون وغیرہ سے کس قدر زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے اور اندرون ملک کتنی مصنوعات ہوتی ہیں جن کا تمام تر انحصار یہی چمڑا، ہڈی، سینگ اور انتڑیوں پر ہوتا ہے، گو صرف قربانی کے جانوروں ہی سے یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتیں لیکن

ان میں قربانی کے جانوروں کا ایک معقول حصہ ضرور شامل ہوتا ہے۔ کھالوں کا کاروبار کرنے والے کاریگر اور تاجر کہتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں جیسی عمدہ دوسری کوئی کھال نہیں ہوتی۔

الغرض! سلسلہ بہ سلسلہ کتنی خلق خدا کو ان قربانیوں کا فائدہ پہنچتا ہے اور نیچے سے اوپر تک کئی اشخاص، ادارے، ٹھیکیدار، کارخانہ دار اور قوم و ملک سبھی مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے ان تمام فوائد کو ﴿لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ﴾ کے جملہ میں سمیٹ لیا ہے۔

اور یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ قربانی کو محض معاشی و مادی پہلو سے جانچنا ہی غلط ہے کیونکہ یہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کا احیاء، خلفاء صحابہ کا تعامل اور تواتر امت سے ثابت شدہ سنت ہے۔

(بہ ترمیم و اضافہ از مقالہ مولانا جھنڈا نگری بحوالہ ماہنامہ آثار، جلد دوم، شمارہ ۹، مقالہ مولانا حافظ کمیر پوری بحوالہ ہفت روزہ اہل حدیث، جلد ۱۷، شمارہ ۳۳-۳۴)

حجاج کی ہدی کے فوائد ومصارف:

گھر میں کی جانے والی انفرادی قربانیوں کے مالی و مادی فوائد تو آپ کے سامنے آچکے ہیں، اب رہا موسم حج کی ہدی یا حجاج کی منٰی میں کی جانے والی قربانیوں کا سوال اور یہ نظریہ کہ وہاں تو گوشت اور چمڑا وغیرہ سب بیکار ہی چلا جاتا ہے ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ بہت پہلے کا حل تو معلوم نہیں کہ ان سے استفادہ کرنے کا منصوبہ کیسا ہوتا تھا لیکن شاہ سعود کے دور سے حجاج کی قربانیوں کے چمڑے حکومت کی طرف سے مصر وسوڈان وغیرہ ممالک کی طرف بھیجے جانے لگے تھے اور وہاں سے وہ نمک وغیرہ دینے اور رنگنے کے بعد امریکہ اور یورپی

ممالک کو بھیج دیے جاتے تھے۔ شاہ فیصل کے دورِحکومت میں اس غرض کے لیے جدہ میں ایک عظیم الشان کارخانہ قائم ہوگیا۔ منیٰ سے قربانی کے ذبح شدہ جانوروں کو ٹرکوں کے ذریعہ باہر لایا جاتا اور ان کا چمڑا نکال کر جدہ بھیج دیا جاتا جہاں جدید آلات و وسائل پر مشتمل کارخانے میں صاف کر کے انھیں پختہ کیا جاتا۔ پھر اسے ہر قسم کے خوبصورت پکے رنگوں سے رنگا جاتا۔ اس کارخانے میں سینکڑوں مصری اور دوسرے ممالک کے کاریگر اور عملہ کام کرتا ہے اور وہاں بیس پچیس قسم کے مردانے، زنانے اور بچکانے جوتے، چپلیں اور سینڈلیں تیار ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ فوجی استعمال کی اشیاء کمر کی پیٹی، کارتوسدان وغیرہ اور عام استعمال کی اشیاء سوٹ کیس، بیگ، منی بیگ اور فائل بیگ وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے معروف تاریخی پرچے ماہنامہ ''صدق جدید'' لکھنو نے ۲۷ جنوری ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں ذکر کیا تھا کہ اسی طرح ہڈیوں کے بارے میں بھی تدابیر سوچی جارہی ہیں اور امید ظاہر کی تھی کہ چمڑے کی طرح ہی قربانی کی دوسری اشیاء گوشت اور اون وغیرہ بھی جدید طریقوں سے کام آنے لگیں گی۔

''معمارِ قوم'' بنگلور نے اپنی ۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء کی اشاعت میں سعودی حکومت کے مکہ و مدینہ سے متعلقہ ترقیاتی منصوبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ سعودی عرب میں جرمنی کی مدد سے ایک جدید منصوبے کی بنیاد رکھی گئی ہے جس کے تحت حجاج کی قربانیوں کے گوشت اور کھالوں سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کیے جائیں گے اور لکھا تھا کہ اس جدید ترقی پذیر منصوبے سے ایک بہت بڑے مسئلے کا حل نکل آیا ہے۔

جدہ سے شائع ہونے والا ایک کثیر الاشاعت روزنامہ ''المدینۃ'' جو موسم حج میں اپنے عمومی عربی ایڈیشن کے علاوہ ایک اردو ایڈیشن بھی روزانہ شائع کرتا

ہے، اس نے اپنی ۱۶ ذو القعدہ ۱۴۰۳ھ اردو اشاعت میں مکہ مکرمہ کے میسر فواد محمد عمر کے حوالے سے لکھا تھا کہ اس سال حج کے دوران میں پہلی مرتبہ قربانی کے جانوروں کا گوشت اسلامی ترقیاتی بنک کے ذریعہ غریب اسلامی ممالک کو برآمد کیا جائے گا جس کا مقصد قربانی کے گوشت سے لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے، اس غرض کے لیے مختلف ممالک کو باقاعدہ گوشت بھیجنے کا سلسلہ شروع ہے۔

اسی اخبار ''المدینہ'' کی ۴ ذوالقعدہ ۱۴۰۴ھ کی اردو اشاعت میں یہ رپورٹ شائع کی گئی کہ سعودی ایئر لائنیں اور پی آئی اے کے مابین ایک معاہدہ طے پایا ہے جس کے تحت پی آئی اے کارگو کی بارہ پروازوں کے ذریعہ قربانی کا یخ بستہ یا فروزن گوشت افغان مہاجرین کے لیے پاکستان پہنچایا جائے گا۔

(بحوالہ ماہنامہ آثار، جلد دوم، شمارہ ۹، مقالہ مولانا جھنڈانگری)

دبئی سے شائع ہونے والے پرچہ ''الاصلاح'' نے محرم ۱۴۰۶ھ بمطابق ستمبر ۱۹۸۵ء کی اشاعت نمبر (۹۲) میں اسلامی ترقیاتی بنک کے حوالے سے لکھا تھا کہ اس نے اس سال قربانی کے تین لاکھ جانوروں کا فروزن گوشت بورکینا، فاسو، مالی، موریطانیہ، چاڈ، بنگلہ دیش، اردن اور یمن میں پہنچایا ہے۔

اسی طرح سعودی روزنامہ ''الجزیرہ'' کی ۱۸ر ستمبر ۱۹۸۶ء بمطابق ۱۴ر محرم ۱۴۰۷ھ بروز جمعرات کی اشاعت نمبر ۵۱۰۳ میں بری، بحری اور ہوائی راستوں سے لاکھوں جانوروں کا گوشت مختلف ممالک میں پہنچائے جانے کی ملک وار تفصیل مذکور ہے، اوپر جن ممالک کے نام ذکر ہوئے ہیں ان کے علاوہ مصر، سوڈان، سینیگال، زامبیا، جیبوتی، سوریا اور پاکستان کے نام بھی اس گوشت سے استفادہ کرنے والے ممالک میں شامل ہیں۔

روزنامہ اخبار ''المدینہ'' اپنی ۲۹ر ذوالقعدہ ۱۴۰۳ھ کی اردو اشاعت

میں اور ادارہ اوقاف دبئی کی طرف سے شائع ہونے والے عربی ماہنامہ ''الضیاء'' نے سعودی خبر رساں ایجنسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس سال منیٰ میں جدید ذبح خانہ کا اضافہ کیا گیا ہے جو پانچ ہزار مربع میٹر پر مشتمل ہے، جس کی پوری عمارت ایئر کنڈیشنڈ ہے۔ اس میں ذبح کرنے، کھالیں اتار کے گوشت کو صاف کرنے اور منجمد کرنے کے لیے دنیا کے جدید ترین آلات و وسائل کا اہتمام کیا گیا ہے جس کا عملہ بارہ سو (۱۲۰۰) افراد پر مشتمل ہے۔ اس ذبح خانہ میں پہلے ہی سال ایک لاکھ بیس ہزار جانوروں کا گوشت منجمد کیا گیا جسے بعد ازاں دوسرے ممالک میں پہنچایا گیا۔

اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس منصوبے کو وسعت دے کر منیٰ میں ہونے والی تمام تر قربانیوں کے تمام اجزاء کو کام میں لایا جائے گا۔ ایک سعودی روزنامہ ''الجزیرۃ'' نے اپنے شمارہ نمبر ۵۴۱۹ بابت جمعہ ۶/ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ بمطابق ۳۱/جولائی ۱۹۸۷ء کے صفحہ (۷) پر قربانیوں کے گوشت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سال کرۂ ارض کے بیس سے زیادہ اسلامی ممالک تک یہ گوشت پہنچایا جارہا ہے۔

اسی طرح ایک سعودی روزنامے کی ہفتہ وار اشاعت ''الاربعاء'' شمارہ نمبر (۳۲) اور اسلامک بنک دبئی کے علمی و اقتصادی میگزین ماہنامہ ''الاقتصاد الاسلامی'' شمارہ نمبر (۲۵) میں بھی بڑی طویل و مفید تجاویز اور منصوبوں کی رپورٹیں درج ہیں جس کے زیرعمل آجانے پر قربانیوں کی اون کا ایک بال بھی ضائع نہیں جائے گا اور توقع ہے کہ کھالوں، ہڈیوں اور گوشت وغیرہ سے مجموعی نفع بھی اتنا ہی ہوجائے گا جو اصل جانور کی قیمت کے لگ بھگ ہوتا یا اپنے بعض افادی پہلوؤں کی وجہ سے اصل قیمت سے بھی یہ فائدہ بڑھ جائے گا۔ جب

قربانی کے جانوروں کی اون اور ہڈی وغیرہ سے صحیح استفادہ شروع ہو گیا اور گوشت سے عرقیات اور ماء اللحم کشید کیا جانے لگا تو بعید نہیں کہ کھڑے جانور کی نسبت اس کی قربانی کی افادیت و مالیت مزید بڑھ جائے۔

اس طرح عام ملکوں میں کی جانے والی اور منٰی میں حجاج کی قربانیوں کے تمام فوائد کو پیش نظر رکھا جائے تو قربانی نہ کرنے بلکہ اس کی قیمت صدقہ کر دینے کی تجویز میں قطعاً کوئی معقولیت باقی نہیں رہ جاتی بلکہ وہ سنت سے صریح بغاوت ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ قربانی یا کسی بھی دوسری عبادت کو معاشی و مادی نقطہ نظر سے جانچنا ہی غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ قربانی کی مشروعیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کرنے والوں کو راہ ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

مصادر و مراجع تالیف

نمبر شمار	نام کتاب و مؤلف	مقام طباعت
	(ا)	
1	قرآن کریم، کلام الہی	
2	ارواء الغلیل، علامہ ناصر الدین البانی	جامعۃ الامام الریاض، و المکتب الاسلامی بیروت
3	اعلام الموقعین، علامہ ابن قیم	دار الفکر، بیروت
4	الادب المفرد، امام بخاری	اوقاف و امور اسلامیہ، ابوظہبی
	(ب)	
5	بلوغ المرام، حافظ ابن حجر عسقلانی مع حاشیہ الدہلوی	المکتب الاسلامی، بیروت
6	بلوغ المرام مع سبل السلام صنعانی	دار احیاء التراث، بیروت
7	بلوغ الامانی، ترتیب وشرح مسند احمد الشیبانی، شیخ احمد عبدالرحمن البناء	دار الشہاب، قاہرہ
8	بذل المجہود شرح سنن ابی داود، مولانا خلیل احمد سہارنپوری	بیروت
	ت	
9	الترغیب والترہیب، امام منذری تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید	قاہرہ
10	تمام المنۃ، علامہ البانی	دار الرایہ، الریاض
11	التقریب، حافظ ابن حجر عسقلانی	نشر السنۃ، ملتان
12	تجلیات رمضان، مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی	مکتبہ نعمانیہ، گوجرانوالہ
13	التعلیق المجد علی موطا امام محمد، علامہ عبدالحی لکھنوی	کراچی

14	تلخیص الحبیر، علامہ ابن حجر عسقلانی	جامعہ سلفیہ، فیصل آباد
15	ترجمہ قرآن مجید، مولانا مودودی	ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
16	تلخیص المستدرک امام ذہبی	بیروت
17	تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری	مدنی، فوٹو بیروت
18	تفسیر ابن کثیر (عربی)	حلبی، مصر
19	تفسیر ابن کثیر (اردو)	مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور
	(ح)	
20	حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مترجم اردو	لاہور
	(ر)	
21	ریاض الصالحین مراجعۃ الارناؤوط	دارالمامون، دمشق، شام
22	الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البہیۃ، للشوکانی، علامہ نواب صدیق حسن خان	دارالمعرفہ، بیروت
	(ز)	
23	زاد المعاد، علامہ ابن قیم تحقیق الارناؤوط	حکومت قطر، الدوحہ
	(س)	
24	سنن ابی داود مع عون المعبود	مدنی، فوٹو بیروت
25	سنن ترمذی مع تحفۃ الاحوذی	مدنی، فوٹو بیروت
26	سنن نسائی مع التعلیقات السّلفیہ، علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی	المکتبہ السّلفیہ، لاہور
27	سنن ابن ماجہ، ترقیم محمد فواد عبدالباقی	دار الفکر، بیروت
28	سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی، علامہ شمس الحق عظیم آبادی	دارالمحاسن، قاہرہ
29	سنن کبریٰ بیہقی	بیروت
30	سبل السلام شرح بلوغ المرام، علامہ یمن امیر صنعانی	دارالاحیاء التراث، بیروت
31	سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ للالبانی	المکتب الاسلامی، بروت و دارالمعرفہ، الریاض

32	سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ للالبانی	المکتب الاسلامی بیروت و دار المعرفہ الریاض
	(ص)	
33	صحیح بخاری مع فتح الباری	دار الافتاء، الریاض
34	صحیح مسلم مع شرح النووی	دار الفکر، بیروت
35	صحیح سنن ابی داود، للالبانی	مکتب التربیہ والتعلیم لدول الخلیج، الریاض
36	صحیح سنن ترمذی، للالبانی	مکتب التربیہ والتعلیم لدول الخلیج، الریاض
37	صحیح سنن نسائی، للالبانی	مکتب التربیہ والتعلیم لدول الخلیج، الریاض
38	صحیح سنن ابن ماجہ، للالبانی	مکتب التربیہ والتعلیم لدول الخلیج، الریاض
39	صحیح ابن حبان، (الاحسان) تحقیق الارناؤوط	المکتب الاسلامی، بیروت
40	صحیح ابن خزیمہ، تحقیق ڈاکٹر مصطفی اعظمی	الریاض
41	صحیح الجامع الصغیر، علامہ البانی	المکتب الاسلامی، بیروت
	(ض)	
42	ضعیف الجامع الصغیر، للالبانی	المکتب الاسلامی، بیروت
43	ضعیف سنن ابی داود، للالبانی	المکتب الاسلامی، بیروت
44	ضعیف سنن ترمذی، للالبانی	المکتب الاسلامی، بیروت
45	ضعیف سنن نسائی، للالبانی	المکتب الاسلامی، بیروت
46	ضعیف سنن ابن ماجہ، للالبانی	المکتب الاسلامی، بیروت
	(ع)	
47	عون المعبود شرح سنن ابی داود، عظیم آبادی	مدنی، فوٹو بیروت
48	عید الفطر...... تاریخ ومقصد، مولانا محمد یوسف انور	فیصل آباد

(غ)

49 غنیۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانی، ترجمہ علامہ راغب رحمانی — نفیس اکیڈمی، کراچی

(ف)

50 الفروع شرح المہذب، امام نووی — قاہرہ

51 فتاوی مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مرتبہ مولانا محمد عزیر — علمی اکیڈمی، کراچی

52 فقہ السنہ (عربی) سید سابق — داراحیاء التراث، بیروت

53 فقہ السنہ (اردو) محمد عاصم — مکتبہ چراغ راہ، کراچی

54 فتح الباری شرح صحیح بخاری عسقلانی — دارالافتاء، الریاض

(ق)

55 قیام اللیل، مروزی — حدیث اکیڈمی، فیصل آباد

(ک)

56 کتاب الصیام، شیخ عبداللہ بن زید آل محمود آف قطر — الدوحہ، حکومت قطر

(ل)

57 لسان العرب، ابن منظور — بیروت

(م)

58 مسند احمد، ترتیب وتبویب شیخ احمد عبدالرحمٰن البناء باسم الفتح الربانی — دار الشہاب، قاہرہ

59 مختصر تفسیر ابن کثیر علامہ محمد نسیب الرفاعی — بیروت

60 مجموع فتاوی، امام ابن تیمیہ — الریاض، ومجمع الملک فہد لطباعۃ القرآن الکریم، مدینہ منورہ

61 المنہاج شرح مسلم ابن الحجاج، امام نووی — دارالفکر، بیروت

62 موطا امام مالک مع تنویر الحوالک للسیوطی — دارالکتاب، بیروت

63 مشکوٰۃ تحقیق شیخ البانی — المکتب الاسلامی، بیروت

64 مناسک الحج والعمرہ، للالبانی (عربی) — المکتب الاسلامی، بیروت

65 مناسک الحج والعمرہ، للالبانی (اردو) ترجمہ محمد منیر قمر — مکتبہ کتاب وسنت، ریحان چیمہ

66 المرعاۃ شرح مشکوٰۃ، علامہ عبیداللہ رحمانی — مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل، شیخوپورہ

67	المحلی ابن حزم تحقیق علامہ احمد شاکر	المکتب البخاری، بیروت
68	مستدرک امام حاکم	بیروت
69	المنتقی للمجد ابن تیمیہ مع نیل الاوطار	بیروت، مصر
70	مصنف ابن ابی شیبہ	الدار السلفیہ، بمبئی
71	المغرب فی ترتیب المعرب خوارزمی	اوقاف و امور اسلامیہ، ابو ظہبی
72	المغنی لابن قدامہ تحقیق محمد خلیل ہراس و تحقیق ڈاکٹر الترکی، وزیر امور اسلامیہ، سعودیہ	قاہرہ
73	مختصر تفسیر موضح القرآن، شاہ عبدالقادر محدث دہلوی	لاہور
74	المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم محمد فواد عبدالباقی	دارالفکر، بیروت، ترکی
75	المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، جماعت مستشرقین	لیڈن و ترکی

(ن)

76	نیل الاوطار، امام شوکانی	بیروت و مصر

(ھ)

77	ہدایہ، علامہ مرغینانی	کراچی

جرائد ومجلّات

78	روز نامہ جنگ	لاہور
79	روزنامہ الجزیرہ	الریاض، سعودی عرب
80	ہفت روزہ الاعتصام	لاہور
81	ہفت روزہ اہل حدیث	لاہور
82	ہفت روزہ الاسلام	لاہور
83	ہفت روزہ الاصلاح	دبئی، متحدہ عرب امارات
84	ہفت روزہ اشاعت الاربعاء مع روز نامہ المدینہ	مدینہ منورہ
85	پندرہ روزہ جریدہ ترجمان	دہلی
86	ماہنامہ آثار جدید	متوناتھ بھنجن، یو پی انڈیا
87	ماہنامہ الاقتصاد الاسلامی	اسلامک بنک، دبئی
88	ماہنامہ الضیاء	اوقاف وامور اسلامیہ، دبئی
89	ماہنامہ صراط مستقیم	برمنگھم، برطانیہ
90	مجلہ جامعہ ابراہیمیہ	سیالکوٹ

مصادر و مراجع تخریج

نمبر شمار	نام کتاب و مولف	مقام طباعت
	(ا)	
1	ارواء الغلیل للالبانی	
2	الادب المفرد، امام بخاری تحقیق یوسف کمال الحوت	
	(ت)	
3	تحفۃ الاشراف للمزی، تحقیق عبدالصمد شرف الدین	
4	تفسیر ابن جریر طبری	
5	تفسیر ابن کثیر	دارالمعرفہ، بیروت
6	تلخیص المستدرک ذہبی	
7	تاریخ بغداد (علامہ بغدادی)	
8	تلخیص الحبیر حافظ ابن حجر، تعلیق الیمانی	
9	تہذیب التہذیب ابن حجر	دار الفکر، بیروت
10	تقریب حافظ ابن حجر تحقیق عبدالوہاب عبداللطیف	
11	تعجیل المنفعۃ ابن حجر	
12	تنبیہ المسلم إلی تعدی الالبانی علی صحیح مسلم مولفہ محمود سعید	
13	تاریخ دمشق ابن عساکر، متعدد محققین	
14	التاریخ الکبیر، امام بخاری	

(ح)

15 حلیۃ الاولیاء ابونعیم

(د)

16 الدراری المضیہ شوکانی

17 الدرایہ حافظ ابن حجر

(ر)

18 ریاض الصالحین امام نووی تحقیق شعیب الارناؤوط

(ز)

19 زاد المعاد ابن قیم

20 زوائد مسند احمد عبداللہ بن امام احمد

(س)

21 سنن ابی داود، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید

22 سنن ترمذی، تحقیق احمد شاکر

23 سنن نسائی مع حاشیہ السیوطی والسندی

24 سنن ابن ماجہ تحقیق محمد فواد عبدالباقی

25 سنن دارمی، بتحقیق محمد فواد عبدالباقی

26 سنن کبری بیہقی مع الجوہر النقی دار الکتب العلمیہ

27 سبل السلام شرح بلوغ المرام للصنعانی تحقیق محمد عبدالعزیز الخولی

28 سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی

(ش)

29 شرح معانی الآثار طحاوی

30 شرح السنہ بغوی

(ص)

31 صحیح بخاری فتح الباری دار المعرفہ، بیروت

32 صحیح مسلم مع شرح النووی

33 صحیح ابن حبان (الاحسان) تحقیق شعیب ارناؤوط

34 صحیح ابن خزیمہ تحقیق مصطفی اعظمی

35 صحیح الجامع الصغیر للالبانی

36 صحیح ابی عوانہ

(ض)

37 الضعفاء الکبیر العقیلی تحقیق ڈاکٹر عبدالمعطی

(ط)

38 طبقات المحدثین ابو الشیخ

(ف)

39 فتح الباری ابن حجر دار المعرفہ، بیروت

40 الفردوس دیلمی، تحقیق فواز حمد وحمد

(ک)

41 کشف الاستار عن زوائد مسند البزار علامہ ہیثمی تحقیق محمد حبیب الرحمٰن اعظمی

(م)

42 مسند احمد بن حنبل

43 معجم الشیوخ ابن جمیع تحقیق عمر عبدالسلام

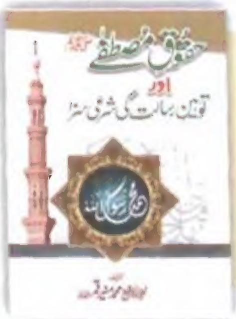
44 المحلی ابن حزم تحقیق لجنۃ احیاء التراث العربی

45	مستدرک امام حاکم	
46	موطا امام مالک تحقیق محمد فواد عبد الباقی	
47	المجموع شرح المہذب امام نووی	دار الفکر
48	معجم اوسط طبرانی تحقیق ڈاکٹر محمد طحان	
49	موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان ہیثمی	
50	مصنف عبد الرزاق تحقیق حبیب الرحمٰن اعظمی	
51	مصنف ابن ابی شیبہ تحقیق الحوت	دار التاج
52	مصنف ابن ابی شیبہ تحقیق الحوت	الدار السلفیہ، بمبئی
53	مسند ابی داود طیالسی ترتیب البناء	
54	المنتقی ابن الجارود تحقیق جماعت علماء	
55	مسند الحمیدی تحقیق حبیب الرحمٰن اعظمی	
56	مسند ابی یعلی تحقیق حسین سلیم اسد	
57	مجمع الزوائد للہیثمی	موسسۃ المعارف
58	میزان الاعتدال ذہبی تحقیق علی محمد البجاوی	
59	معالم السنن خطابی	
60	المجروحین لابن حبان تحقیق محمود ابراہیم	
61	معجم کبیر طبرانی تحقیق حمدی عبد المجید السّلفی	
62	المنتخب من المسند لعبد بن حمید تحقیق صبحی بدری و محمود محمد خلیل	
63	مصباح الزجاجہ، زوائد ابن ماجہ علامہ بوصیری، تحقیق کمال یوسف الحوت	

(ن)

64	نیل الاوطار شوکانی	مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ، الازہر

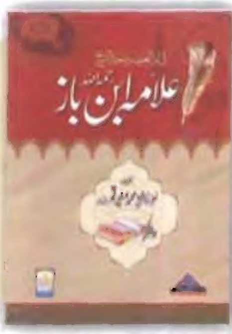
یادداشت



حقوقِ مصطفیٰ ﷺ اور توہینِ رسالت کی شرعی سزا

* مجلد
* عمدہ طباعت
* صفحات 352

تالیف: فضیلۃ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

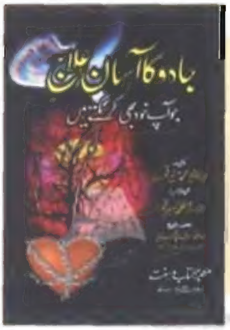


امام العصر سماحۃ الشیخ

علامہ ابن باز رحمہ اللہ

تالیف
فضیلۃ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

* مجلد
* عمدہ طباعت
* صفحات 224



جادو کا آسان علاج

جو آپ خود بھی کر سکتے ہیں

تالیف
فضیلۃ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق و تخریج
حافظ شاہد محمود
فاضل مدینہ یونیورسٹی

GUJRANWALA

UMM UL QURA PUBLICATIONS

Sialkot Road, Fattomand Gujranwala

0333-8110896 / 0321-6466422

www.umm-ul-qura.org